

خطوط کا ایک انبار میرے سامنے ہے اور میں سوچ رہا ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہئے..... یہ خطوط میری پچھلی کتاب ”میاکوں کی تلاش“ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس انبار میں صرف آٹھ عدد خطوط ایسے ملے ہیں جن کے راقموں یا راقماؤں کو یہ کتاب پسند نہیں آئی۔

ایک صاحب یا صاحبہ (نام بے جس کا اندازہ کرنا دشوار ہے) رقم طراز ہیں کہ میں صرف ”جاسوسی ناول“ لکھا کروں۔ مزاح وغیرہ کی طرف قطعی دھیان نہ دوں۔ کہانی میں صرف ایک قتل ہو اور سراغ رساں مختلف قسم کی گتھیاں سلجھاتا ہوا مجرم تک جا پہنچے۔“

محترم یا محترمہ! یقین مانئے میں تو یہ چاہتا ہوں کہ کسی کہانی میں سرے سے کوئی قتل ہی نہ ہو..... لیکن پبلک۔

ہماری قوم ہر وقت خون کو گرمائے رکھنا چاہتی ہے۔ پتہ نہیں آپ کو یاد ہو یا نہ ہو کہ سری ادب کے طوفان سے پہلے ہمارے یہاں تاریخی ناولوں کا سیلاب آیا ہوا تھا جن کے ہر صفحے پر ”کشتوں کے پتے“ نظر آیا کرتے تھے۔ اُس سے بھی پہلے مرزا غالب تک اکثر ”دھول دھپے“ کا شکار ہوئے ہیں۔ بہر حال کیا عرض کروں..... اکثریت ایسے پڑھنے والوں کی ہے جو کتاب کے ہر صفحے پر ”دھول دھپا“ دیکھنا چاہتے ہیں۔ پھر بھی میں محتاط ہو کر لکھتا ہوں۔

ایک صاحب کو ”میاکوں کی تلاش“ میں پیش رس کے علاوہ اور کہیں

## سنہری چنگاریاں

(مکمل ناول)

بھی انجمن کا طریق کار نظر نہیں آیا..... ان کو ایک ایسے صاحب کے ساتھ بٹھا دیا جائے جو صبیحہ کے کردار کو سرے سے غیر ضروری سمجھتے ہیں تو مجھے دونوں ہی کو تشفی بخش جواب دینے میں آسانی ہوگی۔ تو آپ دونوں ہی سنئے! صبیحہ کا کردار محض انجمن کا طریق کار واضح کرنے کے لئے لایا گیا تھا..... اس کی وضاحت کے دو ہی طریقے ہو سکتے ہیں۔ یا تو چند حرفوں میں یہ لکھ دیا جائے کہ ”انجمن کا پیشہ بلیک میلنگ تھا.....“ یا پھر کسی واقعہ کے ہمارے یہ چیز قاری کے ذہن نشین کرائی جائے..... پہلا طریقہ کہلاتا ہے ”رپورٹ“ اور دوسرا ”کہانی“ تو پھر میں کہانی ہی لکھنے بیٹھا تھا..... رپورٹ نہیں۔

## جنازہ

بالآخر وہ جنازہ پولیس اسٹیشن جا پہنچا۔

جنازے کے ساتھ چالیس آدمی تھے۔ لیکن کسی کو بھی نہیں معلوم تھا کہ مرنے والا کون تھا یا اُسے کہاں دفن کرنا ہے۔

ہوایہ کہ شہر کی ایک بھری بڑی سڑک پر ایک نیک دل شہری کو ایک جنازہ نظر آیا، جس کے ساتھ صرف پانچ آدمی تھے..... پانچواں کبھی ایک پائے کو کاندھا دیتا کبھی دوسرے کو۔ اس نیک دل شہری نے سوچا کہ قبرستان تک پہنچتے پانچوں کے کاندھے مثل ہو جائیں گے لہذا وہ بھی ازاوہمردی جنازے کے ساتھ ہولیا اور جلد جلد کاندھا بدلنے کی بھی کوشش کرتا رہا۔ یہی نہیں بلکہ دوسرے راہگیروں کو بھی ترغیب دیتا گیا کہ وہ اُس کارِ ثواب میں حصہ لیں۔

اس طرح اُن پانچوں کی مشکل آسان ہو گئی اور ذرا ہی سی دیر میں جنازے کے ساتھ بہت سے لوگ نظر آنے لگے۔

وہ غلو ص نیت سے جنازے کو آگے بڑھانے لئے جا رہے تھے۔ یہ سوچے بغیر کہ جانا کہاں ہے لیکن اس وقت تو سبھی چوکے جب شہری آبادی بھی پیچھے رہ گئی تھی۔ پھر کسی نے با آواز بلند سمجھوں کو مخاطب کر کے پوچھا تھا ”کہ جانا کہاں ہے۔ تدفین کس قبرستان میں ہوگی۔“ اس سوال پر وہ سب احمقوں کی طرح ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے تھے۔ کسی کے پاس

ایک صاحبہ اس پر بہت دکھی ہیں کہ آخر میں عمران نے صبیحہ سے بڑی بے مردتی برتی ہے۔ کم از کم صبیحہ کو اتنا تو معلوم ہی ہو جانا چاہئے تھا کہ وہ حقیقتاً کون ہے۔ بھئی کیا عرض کروں..... یہ عمران صاحب جانیں کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ لیکن اتنا میں بھی جانتا ہوں کہ وہ اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔ انہیں اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ کسی پر کیا گزر رہی ہے۔ بس کسی طرح اپنا الو سیدھا ہونا چاہئے۔

ایک صاحب کو یہ ناول اس لئے پسند نہیں آیا کہ اس میں مجرموں اور سراغ رسانوں کے مابین مورچہ بندی نہیں ہوئی۔

بہر حال مختلف قسم کی پسند رکھنے والے حضرات بعض اوقات مجھے چکرا کر رکھ دیتے ہیں۔ خیر صاحب..... یہ رہیں سنہری چنگاریاں۔ اس میں آپ کو وہ سب کچھ مل جائے گا جو آپ چاہتے ہیں۔

مصطفیٰ

کے درمیان رہی ہوگی۔ جلد سفید تھی۔

نیک دل آدمی کو پھر آگے آنا پڑا۔ پوری داستان دہرائی اُس نے اور شبہ میں اُسی وقت دھر لیا گیا۔

وہ تھانے کے انچارج کو کسی طرح یاد نہ کرا سکا کہ اُسے اُن پانچوں آدمیوں میں سے کسی کی بھی شکل یاد نہیں رہی تھی۔

سنسنی خیز واقعہ تھا، اس لئے بات فوری طور پر محکمہ سراغ رسانی تک جا پہنچی۔ لاش بھی ناقابل شناخت تھی اس لئے بھلا کرئل فریدی کے علاوہ اور کون آگے آتا۔

حمید تو چھوٹے ہی بولا تھا ”الحق تھے وہ پانچوں..... ارے اس جنازے کو سیدھے یہیں لئے چلے آتے خواہ خواہ راہگیروں کو زحمت دینے کی کیا ضرورت تھی۔“

پھر پرسنل کے تھانے پہنچ کر اُس نیک دل آدمی سے پوچھا تھا۔ ”کیوں صاحب..... کیا آپ کافی ہاؤز میں نہیں بیٹھے.....!“

”نہیں جناب.....؟“ نیک دل آدمی نے اس عجیب سوال پر بوکھلا کر جواب دیا۔ ”یہی بات ہے، ورنہ پانچ ہزار جنازے آپ کے سر سے گذر جاتے لیکن آپ کے کان پر جوں نہ رہ سکتی۔“

دوسری طرف فریدی لاش کا جائزہ لے رہا تھا۔ اُن سبھوں کو تھانے کی کپاؤنڈ میں روکے رکھا گیا تھا، جنہوں نے اُس نیک دل آدمی کی ترغیب پر جنازے کے جلوس میں شرکت کی تھی۔

لاش کا جائزہ لے چکنے کے بعد فریدی نے اُن سے بھی کچھ سوالات کئے تھے پھر وہ اس نیک دل آدمی کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

”اُن میں کوئی ایسا نہیں جس نے آپ کی طرف اشارہ نہ کیا ہو۔“ فریدی نے اُس سے کہا۔ ”مجھے خود ہی اعتراف ہے جناب عالی کہ میں نے ہی انہیں ترغیب دی تھی۔“

”آپ نے اس جنازے کو کہاں دیکھا تھا۔“

”چرچا روڈ کے کراسنگ پر۔“

بھی اس کا جواب نہیں تھا۔

آخر جنازہ وہیں سڑک کے کنارے رکھ دیا گیا۔ وہ سب براہ راست ایک دوسرے سے اُس کے متعلق پوچھنے لگے۔

تب اُس نیک دل آدمی کے دل میں شبہ گذرا کہ ہونہ ہو اُس نے دھوکا کھایا ہے..... کچھ لوگ خاص طور پر اُسے گھور رہے تھے؟ شاید انہوں نے یاد رکھا تھا کہ اُسی آدمی نے انہیں اس کارِ ثواب میں حصہ لینے کی دعوت دی تھی۔

اب تو وہ نیک دل آدمی بے حد زور سے نظر آنے لگا..... سوچ رہا تھا کہ الزام اُسی کے سر جائے گا..... خود اُس سے یہ حماقت سرزد ہوئی تھی کہ اُس نے اُن پانچوں آدمیوں کو اس حیثیت سے نہیں دیکھا تھا کہ اُن کی شکلیں بھی یاد رکھنے کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ وہ تو اب یقین کے ساتھ کہہ ہی نہیں سکتا تھا کہ ان لوگوں میں وہ پانچوں بھی موجود ہیں یا نہیں۔

بالآخر اُسے اپنی کہانی بقیہ کو سنانی پڑی اور لوگ اُسے بُرا بھلا کہنے لگے۔ پھر کسی نے گہوارے پر سے چادر ہٹادی۔ لاش کفن میں لپیٹی پڑی تھی۔ ایک آدمی نے مردے کا منہ دیکھنا چاہا لیکن اُس نیک دل آدمی نے جواب کافی ذہین نظر آنے لگا تھا اُسے اس سے باز رکھا۔ اُس نے تجویز پیش کی کہ لاش کو ہاتھ لگائے بغیر یہ جنازہ جوں کا توں کسی پولیس اسٹیشن پر لے جایا جائے۔ اُس کے اس مشورے کی مخالفت نہیں کی گئی تھی۔

جنازہ پرسنل کے تھانے پر لایا گیا تھا۔

اور جب تھانے کے انچارج نے کفن کی ڈوری کھول کر مردے کا منہ دیکھنا چاہا تو مٹی کی ایک ہانڈی لڑھک کر گہوارے کی دیوار سے جا گرائی۔

لاش کا سر غائب تھا اور اُس کی جگہ ہانڈی رکھ دی گئی تھی۔ کھائیوں سے ہتھیلیاں غائب تھیں اور ٹخنوں سے بچے الگ کر لئے گئے تھے ان کی بجائے لکڑی کی چھوٹی چھوٹی تختیاں پیروں سے اس طرح جوڑ دی گئی تھیں کہ کفن کے اوپر سے بچے معلوم ہوں۔

اور یہ کسی عورت کی لاش تھی جسم کی بناوٹ سے معلوم ہوتا تھا کہ عمر بیس اور پچیس

”بہتر ہے..... میں ابھی محرر کو بھیجتا ہوں۔“ فریدی نے کہا اور پھر وہ دونوں انچارج کے آفس میں واپس آ گئے۔

”میری دانست میں تو لاٹش کی شناخت ناممکن ہے۔“ حید بولا۔

”اور اب سارے شہر میں پوچھتے پھرے، اس جنازے کے متعلق جسے صرف پانچ آدمی لے جا رہے تھے۔“ انچارج بولا۔

”میرا خیال اس سے مختلف ہے۔“ فریدی مسکرایا۔

انچارج استغھامیہ انداز میں اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

”میرا خیال ہے کہ ہم سیدھے وہیں پہنچیں گے جہاں سے جنازہ اٹھا تھا۔“ اس نے کہا اور نئے سگار کا گوشہ توڑنے لگا۔

”ہو سکتا ہے جناب، خدا کا شکر ہے کہ آپ تشریف لے آئے ورنہ میرے تو فرشتے بھی کچھ نہ کر سکتے اس سلسلے میں۔“

”اب اس ملزم کے گھر والوں کو اطلاع بھوانے کی کوشش کیجئے۔“ فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”اس کی ضمانت بھی آج ہی ہونی چاہئے۔“

”کچھ دیر بعد حید لیکن میں بیٹھتا ہوا ہر لیے لہجے میں کہہ رہا تھا۔“ اب ہم سیدھے وہیں پہنچیں گے جہاں سے جنازہ اٹھا تھا کیونکہ اب وہاں خیرات بٹ رہی ہوگی۔“

”تم شاید اسے مذاق سمجھے ہو۔“ فریدی نے سوچ آں کرتے ہوئے کہا۔

”صاحب مجھے اس سے ذرا برابر بھی دلچسپی نہیں ہے کہ وہ مذاق تھا یا حقیقت تھی..... میں نے آج ہی چھٹی کے لئے درخواست دی ہے۔ یہاں کا موسم آج کل میری برداشت سے

باہر ہو رہا ہے۔“

”کہاں جاؤ گے؟“ فریدی نے نرم لہجے میں پوچھا۔

گھڑی چل پڑی تھی۔

”کسی بھی مل اسٹیشن کا رخ کروں گا۔“

”تہا.....!“

”آپ کو اچھی طرح یاد ہے۔“

”جی ہاں..... میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں۔“

”اُس وقت کتنے آدمی تھے۔“

”صرف پانچ۔“

”کسی ایک کا حلیہ بتا سکیں گے۔“

”کاش مجھے معلوم ہو تاکہ میں گڑھے میں گرنے جا رہا ہوں۔“

”کیا مطلب.....!“

”اُس صورت میں انہیں بغور دیکھ کر اُن کی شکلیں ذہن نشین کرنے کی کوشش کرنا۔“

”اس بھیڑ میں کسی کے متعلق بھی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ بھی اُن پانچوں

میں سے ہو سکتا ہے۔“

”نہیں جناب۔ اگر ایسا ممکن ہو تا تو بہت پہلے اُس کے گریبان پر ہاتھ ڈال چکا ہوتا۔“

”ایک بار پھر کوشش کیجئے۔“ فریدی نے کہا اور اس بھیڑ کی طرف پلٹ آیا۔

پھر وہ سب ایک ایک کر کے لاک اپ کے سلاخوں دار دروازے کے قریب سے

گزرتے رہے لیکن یہ شناختی پریڈ بھی ناکام رہی۔ وہ کسی کے بارے میں بھی یقین کے ساتھ کچھ نہ کہہ سکا۔

حوالات میں پہنچ جانے کے بعد وہ نیک دل آدمی بے حد زور سے نظر آنے لگا تھا۔

”میں کب تک یہاں رہوں گا۔“ اُس نے فریدی سے پوچھا۔

”مجھے افسوس ہے کہ آپ کو خواہ مخواہ ان حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ لیکن ضابطے کی

کاروائی بہر حال ضروری ہوتی ہے۔“

”یعنی اب مجھے کوئی ضامن بھی تلاش کرنا پڑے گا۔“

”مجبوری ہے..... وہ سبھی آپ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں اور آپ کو بھی

اعتراف ہے اس لئے قانون اسی کی پابندی کرے گا جو ایسے حالات میں ضروری ہے۔“

”تو پھر براہ کرم میرے گھر والوں کو اطلاع بھجوا دیجئے، تاکہ وہ ضمانت کا انتظام کر سکیں۔“

اس پر حمید نے ایک آزاد لطم شروع کر دی۔

تہائی آغاز ہے میرا تہائی انجام

تہائی سے بچ کر میں جاؤں گا کہاں

جگ بیتے دو تہا جانوں کی تہائی ٹوٹی تھی

اُن کی یکجائی نے میری تہائی کو ختم دیا

تہائی آغاز ہے میرا تہائی انجام

جن کی تہائی ٹوٹی تھی، اُن کو سات سلام

”پیارے والدین۔“ فریدی نے ٹھنڈی سانس لی۔ لیکن تیسرے مصرعے میں ”تھی“

زائد ہے، چوتھے مصرعے میں ”دیا“ زائد ہے، دوسرا مصرعہ بھی ناقص ہے۔“

”آزاد لطم ہے۔“ حمید نے جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

”مادر پدر آزاد ہوگی..... در نہ آزاد لطم کے لئے بھی کچھ پابندیاں ہیں۔“

”میں لعنت بھیجتا ہوں ہر قسم کی پابندی پر۔“

”پھر غالباًرات کا کھانا نہیں کھاؤ گے؟“

”کیوں...“

”پابندی ہی ٹھہری معدے کی۔“

”میں چھٹی چاہتا ہوں چھٹی..... سمجھے آپ۔“

”اودہ ہم چرچا روڈ کے کراسنگ پر پہنچ گئے ہیں۔“ فریدی نے کہا اور چوراہے سے کسی

قدر آگے بڑھ کر گاڑی روک دی۔

پھر وہ نیچے بھی اتر گیا لیکن حمید وہیں بیٹھا رہا..... سینٹر کی شام اور اس طرح عمارت

ہو جائے؟ وہ سوچتا اور پیچ و تاب کھاتا رہا۔

قطعی نہیں دیکھنا چاہتا تھا کہ فریدی گاڑی سے کیوں اترتا تھا اور اب کیا کر رہا ہے، لہذا وہ

دوسری سمت دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی واپس آگیا اور گاڑی پھر چل پڑی اور پھر جی۔ سی۔ ایچ سوباسائی کی

ایک عمارت کے سامنے رک گئی۔

فریدی نے حمید سے بھی اترنے کو کہا..... وہ بے دلی سے اترتا ضرور لیکن عمارت

میں داخل ہونے کے سلسلے میں فریدی کا ساتھ دینے پر تیار نہیں تھا۔

”چلو.....!“ فریدی نے اُس کا بازو پکڑ کر آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

برآمدے میں پہنچ کر فریدی نے کال بل کا مٹن دبایا۔

شائد ایک منٹ بعد ایک بوڑھا آدمی باہر آیا تھا۔

”کیا مسٹر گومز تشریف رکھتے ہیں۔“ فریدی نے اس سے پوچھا۔

”میں ہی گومز ہوں..... فرمائیے۔“

”میں گوانیز کر سپین ہاؤسنگ سوسائٹی کے دفتر سے معلوم کر کے آیا ہوں کہ آپ اجنبی

عمارت کا ایک حصہ کرایہ پر دینا چاہتے ہیں۔“

”جی ہاں.....!“

”مجھے ایک رہائشی مکان کی ضرورت ہے..... کتنے کمرے ہیں اس حصے میں۔“

”آپ کی تعریف.....؟“

”مجھے احمد کمال کہتے ہیں۔“

”اودہ..... دیکھئے مسٹر کمال..... مجھے افسوس ہے، ارادہ تو تھا کرائے پر اٹھانے کا

..... لیکن آج ہی مجھے اطلاع ملی ہے کہ میرا بھتیجا بچے کے سے واپس آ رہا ہے، اس کے لئے

بھی رہائش کا مسئلہ درپیش ہو گا، اس لئے اب میں معذور ہوں۔“

حمید نے فریدی کے چہرے پر گہری مایوسی کے آثار دیکھے۔

دوسری طرف بوڑھے کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ اپنا غصہ دبانے کی

کوشش کر رہا ہو۔

حمید کو اس پر حیرت ہوئی۔ اُس کی دانست میں فریدی نے ابھی تک کوئی ایسی بات نہیں

کہی تھی جس کی بناء پر بوڑھے کو کسی ناخوشگوار ذہنی کیفیت سے دوچار ہونا پڑتا۔

آخر بوڑھے نے کھر کھراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ ”کیا آپ نے سوسائٹی کے کسی کارکن



کو اپنا ہی نام بتایا تھا۔“

”جی نہیں.....!“ فریدی نے سادگی سے جواب دیا۔

”پھر.....؟“ بوڑھے کا لہجہ تھکھا تھا۔

”نہ اس نے نام پوچھا تھا اور نہ میں نے بتایا تھا..... دیے کیا ابھی تک آپ لوگوں نے اپنا پرانا اصول تبدیل نہیں کیا۔“

”جی نہیں.....“ بوڑھے نے غصیلے لہجے میں کہا اور واپسی کے لئے مڑی رہا تھا کہ فریدی بولا۔ ”ذرا سنبھلو..... ایک منٹ۔“

”فرمائیے.....!“ وہ بھلا کر بولا۔

”اگر میں اپنا نام ولیم جوزف بتاتا تو.....؟“

”بس ختم کیجئے..... ہاں..... ہم نہیں چاہتے کہ کوئی غیر کرپین ہماری سوسائٹی

میں آباد ہو۔“ وہ پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا۔

”کیا نہ کہئے..... ابھی حال ہی میں میرے ایک غیر عیسائی دوست نے یہاں ایک عمارت کرائے پر حاصل کی ہے۔“

”جی ہاں..... میں جانتا ہوں، لیکن اس نے فراڈ کیا تھا۔ خود کو عیسائی ظاہر کر کے مکان کرائے پر حاصل کیا تھا..... اب اگر اس نے فوراً ہی مکان خالی نہ کیا تو سوسائٹی اس کے خلاف فریب دہی کا مقدمہ قائم کر دے گی۔“

”اوہ..... تو کیا اس کے فراڈ کا علم ہو گیا ہے لوگوں کو.....!“

”اگر اس کے خاندان میں آج کسی کی موت نہ ہو جاتی تو شاید ہم اُسے عیسائی ہی سمجھتے رہتے۔ جنازہ تو بہر حال لے جانا ہی پڑا۔“

”آج موت ہوئی ہے کسی کی۔“ فریدی نے گھبراہٹ کا مظاہرہ کیا۔

”جی ہاں۔“ بوڑھے کا لہجہ اب بھی درست نہیں ہوا تھا۔

”اوہ..... تب تو مجھے وہاں جانا چاہئے لیکن مکان کا نمبر یاد نہیں رہا۔ کیا اس سلسلے میں آپ میری راہنمائی کر سکیں گے۔ لیکن اگر اُس نے غلط نام بتا کر مکان حاصل کیا تھا تو یہ بڑی

ٹھکیا بات تھی۔“

”بائیں جانب جو پہلی سڑک گھومتی ہے اسی پر چھو دلا.....!“ بوڑھے نے کہا اور اس بار اندر ہی چلا گیا۔

فریدی بھی واپسی کے لئے مڑ گیا۔

”یہ آپ کیا کرتے پھر رہے ہیں۔“ حید نے پوچھا۔

”دیکھا کتنی آسانی سے اس عمارت کا پتہ چل گیا جہاں سے جنازہ اٹھایا گیا تھا۔“

”آخر کیسے۔“

”ابھی بتاؤں گا.....!“ فریدی گاڑی میں بیٹھا ہوا بولا۔

گاڑی کچھ دور چل کر بائیں جانب مڑی اور پھر ٹھیک چمڑ ولا کے سامنے رک گئی۔

چھوٹی سی عمارت تھی۔ سامنے پختہ برآمدہ تھا اور پھر ہائٹس کروں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ پائیں باغ نہیں تھا۔ برآمدے کے نیچے حالانکہ کچی زمین تھی لیکن پھر بھی یہاں کیاریاں نہیں بنائی گئی تھیں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے مکینوں کو اس سے دلچسپی نہ رہی ہو۔

فریدی نے گاڑی برآمدے کے قریب ہی روکی تھی اور متواتر ہان بچائے جا رہا تھا۔

”یہ کیا کر رہے ہیں برآمدے میں چل کر گھنٹی بجائیے۔“ حید نے کہا۔

”فضول ہے..... اندر کوئی نہ ہو گا۔“ فریدی نے جواب دیا اور ہان بچاتا رہا۔

تھوڑے ہی فاصلے کی ایک عمارت سے ایک آدمی برآمد ہوا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا اُن کے قریب آکر رک گیا۔

”کس کی تلاش ہے۔“ اس نے پوچھا اور حید نے اس کے لہجے میں بھی ناخوشگوار

محسوس کی۔

فریدی نے زبان سے کچھ کہنے کی بجائے چمڑ ولا کی طرف ہاتھ اٹھادیا۔

”صبح جنازہ گیا تھا۔“ اس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ”ابھی تک کوئی واپس نہیں آیا۔“

”میں سخت الجھن میں ہوں۔“ فریدی نے یر تشویش لہجے میں کہا۔ ”آخر کس طرح لے

گئے ہوں گے تدفین والی گاڑی آئی ہو گی۔“

”رنگت.....!“

”رنگت یقیناً سرخ و سفید تھی..... بال بھی اخروٹ کے رنگ کے تھے لیکن وہ اہل زبان کی طرح اردو بولتی تھی۔ لب و لہجے میں اجنبیت نہیں تھی۔“

فریدی مزید کچھ پوچھنے والا تھا کہ پشت سے آواز آئی۔ ”کیا وہ لوگ واپس آگئے؟“  
آواز میں اتنی سیکس اپیل تھی کہ حمید بے اختیارانہ انداز میں مڑا تھا۔ سوال کرنے والی پہلی ہی نظر میں دل لوٹنے والی ثابت ہوئی۔

کھلتی ہوئی گندمی رنگت تھی، اور بوجھل پلکوں والی بڑی بڑی آنکھیں، چہرہ بھرا بھرا سا تھا۔ اوپری ہونٹ پر سبزی مائل ہلکی سی روئیدگی تھی اور ہونٹ تو ایسے لگتے تھے جیسے اجتا کے کسی نقاش نے تراشے ہوں۔

ساری اور آدھے پیٹ کی نمائش کرنے والے بلاؤز میں لمبوس تھی۔ اس کا اصل حسن تو اعضاء کا تناسب ہی تھا۔

عمر بیس اور پچیس کے درمیان رہی ہوگی۔

مالک مکان جو اُسے غصیلی نظروں سے دیکھ رہا تھا، ہاتھ جھٹک کر بولا۔ ”اپنا کام کرو..... تمہیں کیوں فکر ہے۔“

لیکن لڑکی نے اُس کے لہجے کی پرواہ کئے بغیر پوچھا۔ ”یہ لوگ کون ہیں! کیا ان کے عزیز ہیں۔“  
”جاؤ یہاں سے۔“ مالک مکان غریبا۔

”ایسا بھی کیا۔“ حمید جلدی سے بولا۔ ”نہیں محترمہ ہم اُن کے عزیز نہیں ہیں۔“

”تو پھر اُن کے ہم مذہب ہوں گے۔ کریمین تو ہرگز نہیں ہو سکتے۔“ لڑکی نے کہا۔  
فریدی پھر دروازے کی طرف مڑ کر قفل کا جائزہ لینے لگا تھا۔ شاید اس نے اُن کی گفتگو میں دخل انداز ہونا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

”کیا ہماری پیشانیوں پر تحریر ہے کہ ہم کریمین نہیں ہیں۔“ حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

”یہ بات نہیں..... یہاں کسی نے بھی اُن بیچاروں کی پرواہ نہیں کی کیونکہ وہ کریمین نہیں تھے۔ میں نے اُس سے کہا تھا کہ اپنی کسی انجمن کو فون کر کے جنازہ والی گاڑی منگوالے

”نہیں کاغذوں ہی پر لے گئے تھے؟“ جواب ملا تھا۔

”ادھ تو کچھ اعزہ کو خبر ہو گئی ہوگی..... کتنے آدمی تھے؟“  
”پانچ آدمی تھے۔“

”مالک مکان سے کہاں ملاقات ہو سکے گی۔“ فریدی نے پوچھا۔  
”کیوں؟“ تھکے لہجے میں کہا گیا۔

”میرا خیال ہے اب وہ لوگ واپس نہ آئیں گے..... کیوں کہ یہاں سب ہی جان گئے ہوں گے کہ وہ کریمین نہیں تھے؟“

”آپ کون ہیں.....؟“

”میں نے آپ سے مالک مکان کے متعلق پوچھا تھا.....؟“

”میں ہی ہوں مالک مکان۔“ اس کا لہجہ بے حد غصیلیا تھا۔

فریدی نے اپنا کارڈ نکال کر اُس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے کارڈ لے کر بڑی لاپرواہی سے اس پر نظر ڈالا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں حمید نے اس کے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھے۔

”سی۔ آئی۔ بی۔“ اس نے پھنسی پھنسی سی آواز میں کہا۔

”جی ہاں..... میں آپ کی موجودگی میں اپنے طور پر مکان کی غلاشی لیتا چاہتا ہوں۔“

”وارنٹ..... میرا مطلب ہے سرچ وارنٹ ہے آپ کے پاس۔“

”اس کی فکر نہ کیجئے۔“

”کیا کوئی گڑبڑ ہے۔“

”آئیے۔“ فریدی گاڑی سے اتر کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

وہ برآمدے میں آئے اور مالک مکان ان کی طرف مڑ کر بولا۔ ”لیکن یہ تو متقل ہے۔“

”یہاں کتنے لوگ رہتے تھے؟“ فریدی نے اس سے پوچھا۔

”وہ..... غالباً میاں بیوی تھے۔“

”عورت غیر ملکی تھی۔“

”یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ وہ ساری یا فراک اور شلوار پہنتی تھی۔“

لیکن اُس نے کہا کہ گوانیز کرچین ہاؤسنگ سوسائٹی کا پتہ سن کر کوئی یقین نہ کرے گا۔ وہ سمجھیں گے کہ کوئی بد معاش آدمی اُن کا وقت برباد کرنا چاہتا ہے۔ میں نے بھی سوچا ٹھیک ہی کہتا ہے پکارا۔ کون یقین کرے گا کہ اس ہاؤسنگ سوسائٹی میں کسی غیر کرچین کا بھی گذر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ میسائیوں کے علاوہ اور کسی کو بھی خدا نے نہیں پیدا کیا۔ وہ اپنی بد بختی کی بناء پر خود بخود پیدا ہو گئے ہیں۔

”دیکھو..... حد ہوتی ہے۔“ مالک مکان پہلے سے بھی زیادہ بھر کر بولا۔ ”میں تمہارے باپ سے شکایت کروں گا..... سمجھیں۔“

”وہ بھی کر چکین ہیں۔ تمہارا ہی ساتھ دیں گے۔“

”پہلی جاؤ یہاں سے۔“

دفعتاً فریدی ان کی طرف مڑ کر مالک مکان سے بولا۔ ”میں یہی پسند کروں گا کہ آپ کچھ دیر تک بالکل خاموش رہیں۔“

مالک مکان نے سختی سے ہونٹ بھیج لے اور دوسری طرف دیکھنے لگا فریدی پھر کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

”تو آپ کو ان لوگوں سے ہمدردی تھی؟“ حمید نے پوچھا۔

”بوی پیاری لڑکی تھی، میں اس کے لئے مسموم ہوں۔ پتہ نہیں اچانک کیسے مر گئی۔“

بھٹی شام تک میں نے اسے برآمدے میں چہل قدمی کرتے دیکھا تھا۔ بالکل اچھی تھی۔ حتیٰ کہ چہرے سے تھکن بھی نہیں ظاہر ہوتی تھی۔ مجھے دیکھ کر سر ہلایا تھا اور بڑے دلکش انداز میں مسکراتی تھی۔

”اور..... اور..... شوہر.....!“ حمید نے پوچھا۔

”اُس سے بہت کم ملنے کا اتفاق ہوتا تھا۔ ٹریولنگ ایجنٹ تھا کسی تجارتی کمپنی کا۔ لڑکی زیادہ تر تنہا رہتی تھی۔“

”بالکل تنہا.....؟“

”نہیں ایک بوز حاملہ م بھی تھا۔“

”کیا وہ بھی جنازے میں شریک تھا۔“

”جی ہاں..... دعی پانچوں تولے گئے تھے۔“

”بقیہ تین کہاں سے آئے تھے۔“

”پتہ نہیں..... میں نے انہیں پہلی بار دیکھا تھا۔ اُوہ آپ تو اس طرح پوچھ رہے ہیں جیسے اُن کے شناسا بھی نہ ہوں..... پھر..... یہاں..... کیوں؟“

”اُوہ..... دراصل..... ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ وہ خود کو میسائی ظاہر کر کے یہاں کیوں آئے تھے۔“

”اُس لئے کہ ہر آدمی کو حق حاصل ہے۔ خدا کی بنائی ہوئی زمین پر جہاں چاہے رہے۔“

اس کی آواز جوشنِ شدت سے کانپ رہی تھی۔ ”اس عمارت کا چونا گارا شش و غیرہ کوئی کرچین اپنی ماں کے پیٹ سے ساتھ نہیں لایا تھا۔“

”دیکھو.....!“ مالک مکان نے پھر کچھ کہنا چاہا۔

”پلیز.....!“ فریدی نے ہاتھ اٹھا کر اسے حریف کچھ کہنے سے باز رکھا۔

لڑکی کہتی رہی۔ ”وہ یہاں رہنا چاہتے تھے۔ انہیں یہ بستی پسند تھی، لہذا انہیں یہاں قیام کرنے کے سلسلے میں تمہارا سفر اڈا بھی کرنا پڑا۔ میں پوچھتی ہوں آخر ان کے یہاں قیام کرنے سے میسائیت یا میسائیوں کو کیا نقصان پہنچا۔ کوئی بتائے مجھے۔ یا کہ وہ میسائیوں سے الگ معلوم ہوئے تھے۔ اگر گھر میں ایک موت نہ ہو جاتی تو قیامت تک کسی کو ان کی اصلیت کا پتہ نہ مل سکتا..... یا خدا اب تو میسائیوں کے دم لگا کر پیدا کیا کرتا کہ وہ آسانی سے پہچانے جاسکیں۔“

”خاموش رہو۔“ مالک مکان مٹھیاں بھیج کر چٹھا۔

”آپ ذرا میرے ساتھ آئیے۔“ فریدی اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر برآمدے کے زینوں کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

حمید اور وہ لڑکی انہیں کار کی طرف جاتے دیکھتے رہے۔

”تمہاری گاڑی بڑی شاندار ہے۔“ لڑکی نے کہا۔



”ایئر کنڈیشننگ لکھن۔۔۔۔۔“ حید کے لہجے میں لاپرواہی تھی۔  
”تم لوگ کون ہو؟“

”ہمیں سوسائٹی کے دفتر سے اس کام پر معین کیا گیا ہے۔“  
”کس کام پر۔“

”یہ معلوم کریں کہ وہ فراڈ کر کے یہاں کیوں آئے تھے۔“

”صورت سے ذہین آدمی معلوم ہوتے ہو اور کرپشن بھی نہیں معلوم ہوتے۔“

”ہاں تو۔۔۔۔۔ مرنے والی کا شوہر۔۔۔۔۔ کیا اُس کے متعلق کچھ نہ بتاؤ گی۔ صورت عمل سے مراد ہے میری۔“

”فوب صورت تھا۔“ وہ غنڈی سانس لے کر بولی۔ ”اپنی بیوی کی طرح تو نہیں لیکن بہر حال وجہ تھا۔ پچیس اور تیس کے درمیان سمجھ لو۔“

”کوئی خاص پہچان۔۔۔۔۔!“

”نہیں کوئی ایسی نمایاں خصوصیت تو نہیں تھی۔۔۔۔۔ متوسط قد تھا۔۔۔۔۔ جسامت معمولی تھی۔ البتہ خوش لباس اور جامہ زیب تھا۔ اس خصوصیت کی بناء پر لڑکیاں ضرور اُس کی طرف متوجہ ہو سکتی تھیں۔“

”اور ملازم۔۔۔۔۔!“

”بوڑھا اور صورت حرام تھا۔ خاموشی سے بھی دیکھتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا جیسے کانٹے دوڑے گا۔“

”اُس کی کوئی نمایاں خصوصیت۔“

”یہی سب سے بڑی نمایاں خصوصیت تھی شکل دیکھ کر نکھنے کتے کا تصور ذہن میں ابھرتا تھا۔“

”تو وہ لڑکی پسند تھی آپ کو۔۔۔۔۔؟“

”بہت۔۔۔۔۔ مجھے بہت اچھی لگتی تھی۔۔۔۔۔ لیکن اُس سے مل بیٹنے کا بھی اتفاق نہیں ہوا تھا۔ بس ہم شناساؤں کی طرح ایک دوسرے کو دیکھ کر سر ہلاتے تھے۔ مجھے اس کی

سکر بہت بہت اچھی لگتی تھی۔“

”اکثر ملنے جلنے والے بھی آتے ہوں گے۔“

”میں نے ایک کے علاوہ اور کسی کو نہیں دیکھا۔ وہ اکثر رات کو آتا تھا اور وہ اُس کی لمبی سی گاڑی میں بیٹھ کر کہیں جاتی تھی۔“

”اُس ملنے والے کا حلیہ۔“

”حلیہ کیا بیان کروں۔۔۔۔۔ میرا خیال ہے کہ میں اسے پہچانتی ہوں۔“

”یعنی۔۔۔۔۔ کون تھا۔“

”وزارت خراجہ کا کوئی بڑا آفیسر۔۔۔۔۔!“

”کیا۔۔۔۔۔؟“

”میرا خیال ہے میں نے کہیں اُس کی تصویر بھی دیکھی تھی۔ عہدہ یاد نہیں رہا۔ اُس کی

گاڑی کی نمبر پلیٹ پر نمبری آف فارن انٹریس بھی تحریر تھا۔“

”اوہ تو آپ اس کی ٹوہ میں بھی رہتی تھیں؟“

”اُسے دیکھ کر ایک خواہش پیدا ہوتی تھی دل میں۔“

”کیسی خواہش۔۔۔۔۔!“

”یہی کہ۔۔۔۔۔ کاش خدا نے مجھے مرد بنایا ہوتا۔“

”اسی لئے آپ اس کی ٹوہ میں رہتی تھیں۔“

دفتر سڑک کی طرف سے ایک غراتی ہوئی سی آواز آئی۔ ”جول۔“

اور وہ بوکھلا کر مڑی۔ حید بھی دیکھنے کے لئے مڑا تھا۔

ایک قد آور اور گھنی مونچھوں والا آدمی لڑکی کو گھور رہا تھا

”اوہ۔۔۔۔۔ ڈیڈی۔۔۔۔۔!“ وہ مردہ سی آواز میں بولی۔

”تم یہاں کیا کر رہی ہو۔“

”لگ۔۔۔۔۔ کچھ نہیں۔۔۔۔۔ بس یونہی۔۔۔۔۔!“ وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

حید نے دونوں کو وہاں سے جاتے دیکھا۔ پھر وہ قریب ہی کی ایک عمارت میں

داخل ہو گئے۔

ایک ٹھنڈی سانس حید کے تھکے ہوئے سینے سے آزاد ہوئی۔ لڑکی کے چلنے کا انداز بھی  
براد لکش تھا۔

## اور وہ تصویر

مالک مکان اور فریدی پھر برآمدے کی طرف واپس آ رہے تھے۔ دروازے کے قریب  
رکتے ہوئے فریدی نے مالک مکان سے کہا۔ ”آپ ہر پوچھنے والے سے بھی کہیں گے کہ ہم  
سوسائٹی کے دفتر کی ہدایات پر عمل کر رہے ہیں۔“

”بہت بہتر جناب۔“ مالک مکان نے سہمے ہوئے انداز میں جواب دیا۔  
فریدی نے رست و لہج پر نظر ڈالتے ہوئے حید سے کہا۔ ”تم یہیں ٹھہرو۔۔۔۔۔ میں  
ابھی آیا۔“

حید سر کو جنبش دے کر مالک مکان کی طرف متوجہ ہو گیا۔  
وہ الجھن میں تھا۔ آخر اتنی جلدی وہ ٹھیک اسی جگہ کیسے آپہنچے جہاں پر واردات ہوئی تھی۔  
ویسے وہ اس لڑکی کو دیکھ لینے کے بعد کسی قسم کی الجھن میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ اُس کی  
سریلی آواز کی ہازمشت اب بھی کانوں میں گونج رہی تھی۔

وہ چند لمحوں پر تھکر انداز میں مالک مکان کے چہرے پر نظر جمائے رہا پھر بولا۔ ”یہ لڑکی  
کون تھی؟“

”جو کی وکٹر۔۔۔۔۔!“ مالک مکان نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

”کون رہتی ہے؟“

”سائینس۔۔۔۔۔!“ اُس نے سڑک کی جانب ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”اور وہ آدمی جس نے اُسے آواز دی تھی؟“

”جیری وکٹر۔۔۔۔۔ اس کا باپ۔۔۔۔۔؟“

”کیا کرتا ہے۔“

”انجینئر ہے۔“

”سرکاری یا پرائیویٹ۔۔۔۔۔!“

”پرائیویٹ۔۔۔۔۔ ذاتی ورکشاپ رکھتا ہے۔“

”کیا مرنے والی سے لڑکی کی دوستی تھی۔“

”پتہ نہیں؟“ مالک مکان نے اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کیا وہ کہہ  
رہی تھی۔“

حید نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”میرا اندازہ ہے؟“

”ہو سکتا ہے۔“ مالک مکان کے لہجے میں بیڑائی تھی۔ ”میں بہت مصروف آدمی ہوں

کم ہی خبر ہوتی ہے کہ کروڑوں کو پیش کیا ہو رہا ہے۔ ویسے میرا خیال ہے کہ اس مجبوظ الحواس لڑکی

نے آپ سے بہت سی باتیں کی ہیں۔“

”مجبوظ الحواس کیوں؟“

”وہ مذہب کا مضحکہ اڑاتی ہے۔۔۔۔۔ کہتی ہے کہ کرائسٹ بھی آدمی ہی تھا۔۔۔۔۔ جو

سچائی کو زندہ رکھنے کے لئے سولی پر چڑھ گیا۔“

”وہ خود کیا کرتی ہے؟“

”باتیں بتانے کے علاوہ اور کبھی کچھ کرتی نہیں دکھائی دی۔“ مالک مکان نے سچ لہجے

میں کہا۔

”آپ اُس سے بہت ناراض معلوم ہوتے ہیں۔“ حید مسکرا کر بولا۔

”اُس سے یہاں کوئی بھی خوش نہیں ہے۔ وہ جو بوزھوں کا مضحکہ اڑائے اُسے کیا کہیں

گئے۔“

”اوہ۔۔۔۔۔!“

”ابھی کل ہی کی بات ہے..... مسز برکت سچ جو بہت بوڑھے ہیں ادھر سے گزر رہے تھے ان کا راستہ روک کر کہنے لگی۔ آخر اب کس امید پر جی رہے ہو۔ وہ بچارے پریشان ہو گئے..... لیکن انہوں نے ہنس کر بات اڑانی چاہی بس سری تو ہو گئی کہنے لگی..... اب جلدی سے مر جاؤ..... کسی تو اتنا جسم کے حصے کی روٹیاں کیوں ضائع کر رہے ہو۔“

”جینکس معلوم ہوتی ہے.....“ حمید پر تحسین لہجے میں بولا۔

”پاگل ہے۔“ مالک مکان نے نواسا منہ بنا کر کہا۔ مزید کچھ کہنے والا تھا کہ فریدی کی کار آکر رکی اور وہ دونوں اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

کار سے اتر کر وہ سیدھا بار آمد سے ہی میں آیا۔ اس کے ہاتھ میں کچھ کاغذات تھے ان میں سے ایک اس نے مالک مکان کی طرف بوجھاتے ہوئے کہا۔ ”اسے پڑھ کر دستخط کر دیجئے۔“

”یہ کیا ہے؟“ اس نے مضطرب انداز میں پوچھا۔

”سی آئی بی کے سربراہ سے آپ کی درخواست۔ آپ نے اس میں ہمارے منظر کو اس فراڈ سے آگاہ کرتے ہوئے تشویش ظاہر کی ہے کہ وہ لوگ آپ کے مکان میں کوئی غیر قانونی حرکت کرتے رہے ہیں۔“

”اس سے کیا ہو گا؟“

”میں فوری طور پر مکان کی تلاشی لے سکوں گا۔“

”لل..... لیکن.....!“

”فکر نہ کیجئے..... اس کی ذمہ داری آپ پر نہ ہوگی۔ اسی لئے تو میں آپ سے ضابطے کی کارروائی کے لئے استدعا کر رہا ہوں۔“

مالک مکان نے کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد اس پر اپنے دستخط کر دیئے۔

اب فریدی متقل دروازے کی طرف متوجہ ہوتا ہوا حمید سے بولا۔ ”تم دوسرے پڑوسیوں سے پوچھ کر سکتے ہو۔“

”یعنی اب ہم ہاؤسنگ سوسائٹی کے دفتر کی طرف سے پوچھ کر نہیں کر رہے؟“

حمید نے پوچھا۔

”نہیں.....!“ فریدی نے دروازے کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

”جناب عالی.....!“ دفعتاً مالک مکان کھٹکھٹلا۔ ”اب اسے دوسروں کے لئے سوسائٹی کی جانب سے رہنے دیجئے۔“

”کیوں.....؟“

”صبح سے لوگوں کے سوالات کے جواب دیتے دیتے تنگ آ گیا ہوں، اگر انہیں یہ معلوم ہو گیا کہ محکمہ سراغ رسانی خود بخود اس طرف متوجہ ہو گیا ہے تو میں انہیں اس کی وجہ کیا بتاؤں گا۔“

فریدی فوراً ہی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے حمید سے کہا۔ ”ابھی بات ہے اسے سوسائٹی ہی کی حد تک رکھو۔“

حمید سڑک کی طرف مڑا..... سامنے والی عمارت کی ایک کھڑکی میں جولی کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا اور وہ اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

دفعتاً اس نے ہاتھ اٹھا کر کچھ اس قسم کا اشارہ کیا جیسے اُسے عمارت کی پشت پر آنے کو کہہ رہی ہو۔ حمید سر کی جنبش سے اس تجویز پر صادر کا ہوا آگے بڑھ گیا۔

وہ عمارتوں کے درمیانی راستے سے گزرتا ہوا ٹھیک اسی عمارت کی پشت پر رکا۔

عاباً یہیں اس بستی کا اختتام ہوا تھا۔ عمارت سے تھوڑے ہی فاصلے پر زمین ڈھلوان ہو گئی تھی اور پھر کھیتوں کے سلسلے شروع ہو گئے تھے۔

لاڑکی ایک دروازے سے نکلتی دکھائی دی..... اور اُس نے پھر ہاتھ اٹھا کر عاباً کھیتوں کی طرف اشارہ کیا۔

حمید نے اپنی گدی سہلائی اور آگے بڑھ کر ڈھلان میں اترتا چلا گیا..... یہ کوئی خشک تال تھا جس کی تہ اتنی ہی نیچی تھی کہ وہاں تک پہنچ جانے کے بعد عمارتوں کی صرف چھتیں نظر آ رہی تھیں۔

حمید وہیں رک گیا..... لاڑکی تیزی سے نیچے اتر رہی تھی۔ پھر وہ اس کے قریب بھی پہنچ گئی لیکن خاموش کھڑی ہانپتی رہی۔ شاید دوڑتی ہوئی ڈھلان کے سرے تک آئی تھی۔

سانسوں کے ساتھ جسم کا اتار چڑھاؤ بڑا دلآویز معلوم ہو رہا تھا۔ وہ براہ راست حمید کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی اور حمید احتمالہً انداز میں پلکیں جھپک رہا تھا۔ آخر وہ خود ہی بولد "دیکھو..... میری زبان سے ایک غلط بات نکل گئی تھی۔"

"کون سی بات.....؟" حمید نے پوچھا۔

"میں نے اُس آدمی کی تصویر کہیں نہیں دیکھی تھی..... میرا اندازہ ہے کہ وہ کوئی بہت بڑا آفیسر ہے۔"

"تو پھر نمبر پلیٹ والی بات بھی.....؟"

"نہیں..... نہیں..... وہ بالکل ٹھیک ہے۔ گاڑی کی نمبر پلیٹ پر فٹری آف فارن آفیسر لکھا ہوا تھا۔"

"لیکن اندازے سے آپ اسے کوئی بڑا آفیسر کس بناء پر سمجھ سکتی ہیں۔"

"شاندار آدمی ہے..... بے حد وجہ.....!"

"میرے ساتھی سے بھی زیادہ.....؟" حمید نے پوچھا۔

"اُوہ..... تمہارا ساتھی۔" لڑکی نے طویل سانس لی اور خاموش ہو گئی پھر تھوڑی دیر

بعد بولی۔ "نہیں اتنا شاندار نہیں تھا۔"

"بہت خوب.....!" حمید مضحکہ انداز میں ہنس پڑا۔

"کیوں.....؟" اس نے حیکمے لہجے میں پوچھا۔

"وہ میرا کلرک ہے..... اور میں اینڈوکیٹ ہوں۔"

"ہوں.....!" وہ نمہ اسامند بنا کر رہ گئی۔

"لہذا یہ قطعی غلط ہے کہ شاندار اور وجہ آدمی بڑے آفیسر ہو سکتے ہیں۔"

"لیکن تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو۔"

"آجکی ہاؤسنگ سوسائٹی کے سیکریٹری نے ہمیں اس معاملے کی تفتیش پر مامور کیا ہے۔"

"جب تو میں ہرگز تم سے اس لڑکی کے متعلق گفتگو نہیں کروں گی۔"

"کیوں.....؟"

"میری مرضی۔"

"پھر کیوں دوڑی آئی تھیں۔"

"محض اسی سے متعلق گفتگو کرنے کیلئے۔ مجھے اس کی موت سے گہرا صدمہ پہنچا ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ اس سے ملنا جلتا بھی نہیں تھا اور گہرا صدمہ بھی پہنچا ہے۔"

"دو کیلوں کی سمجھ میں نہیں آتیں ایسی باتیں۔"

"میں شاعر بھی ہوں۔"

"غزل وزل کہہ لیتے ہو گے۔" وہ نمہ اسامند بنا کر بولی۔

"مجھے افسوس ہے کہ اس وقت بحث کرنے کے مؤامد میں نہیں ہوں ورنہ آپ سے الجھ پڑتا۔"

"مرد و ادب پر گہری نظر ہے میری۔"

"آپ نے مجھے یہاں کیوں بلایا تھا۔" حمید نے جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"تمہارے ساتھی کے بارے میں کچھ پوچھنے کے لئے۔"

"ہائیں..... میرے ساتھی سے تمہیں کیا سروکار.....!"

"کیا وہ مرنے والی کا کوئی عزیز ہے۔"

"کیوں.....؟"

"اس لڑکی کی آنکھیں بھی ایسی ہی خوابناک تھیں..... اور مجھے دراصل اس کی

آنکھیں ہی بہت زیادہ اچھی لگتی تھیں۔"

حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور منہ چلانے لگا۔

"مگر وہ بہت مفرد معلوم ہوتا ہے۔" لڑکی کہتی رہی۔ "اس نے ایک بار بھی میری

طرف نہیں دیکھا تھا۔ میں چاہتی تھی کہ کم از کم ایک بار تو نظریں ملتیں۔"

"ارے..... ارے..... تم یہ سب کیا کہہ رہی ہو۔"

"جی جی..... یہ میری خواہش تھی۔ محض یہ تجربہ کرنا چاہتی تھی کہ میرے جسم میں

ایسی ہی لہریں دوڑتی ہیں یا نہیں جیسی اس سے نظر ملتے ہی دوڑ جاتی تھیں۔"

"اچھا بس اب کام کی باتیں کرو۔"

ہجھہ برپا ہو جائے گا۔ کیونکہ ابھی تک اس نے کر تین ہاؤسنگ سوسائٹی کے لوگوں کے متعلق بُری افواہیں نہیں سنی تھیں۔ عام طور پر خیال تھا کہ یہاں کے لوگ پڑھے لکھے مہذب اور اچھے کردار کے مالک ہیں۔

”وہ چپ چاپ چڑھائی کی طرف بڑھتا چلا گیا..... سڑک دیکھنے کی بھی زحمت کو ادا نہیں کی۔“

وہ سوچ رہا تھا کہ آخر پڑوسیوں سے کیا پوچھتا پھرے۔ ہو سکتا ہے فریدی کا اشارہ صرف ہسی لڑکی کی طرف رہا ہو۔ لیکن یہ لڑکی؟

کچھ دیر بعد وہ پھر اسی عمارت کے سامنے نظر آیا جہاں فریدی کو چھوڑا تھا..... لیکن اس کی کار کہاں تھی؟ دروازہ بھی مقفل نظر آیا..... مالک مکان کا کہیں پتہ نہ تھا۔ کیا مصیبت ہے؟ جھنجھلاہٹ میں جگلا ذہن سوچنے لگا۔ کوئی تک ہے اس زیادتی کی؟ واپسی کے لئے ٹیکسی تلاش کرتے پھرے۔

دفتر مالک مکان پھر اسی عمارت کے چھانک پر نظر آیا جہاں پہلے دیکھا گیا تھا۔ حید تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

”اؤہ..... آپ ابھی یہیں ہیں جناب.....!“ اس نے حید سے پوچھا۔

”جی ہاں..... کیا..... میرے لئے کوئی پیغام ہے؟“

”جی نہیں..... کیا پیغام۔“ مالک مکان کے لہجے میں حیرت تھی۔

”مطلب یہ کہ..... کرمل صاحب۔“

”جی نہیں..... انہوں نے مجھ سے آپ کے لئے کچھ نہیں کہا۔ مکان کے بارے میں کہہ گئے ہیں کہ اُسے ٹکے کی اجازت حاصل کئے بغیر دوبارہ نہ تو کھولا جائے اور نہ وہاں کی کسی چیز کو ہاتھ لگایا جائے۔“

”کیا انہوں نے کہا تھا کہ آپ مجھ تک یہ اطلاع ضرور پہنچائیں؟“

”جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔“

”کیا مطلب.....!“

”مطلب یہ کہ تم نے مجھے یہاں کیوں بلایا تھا۔“

”اُس سے کسی طرح ایک بار نظر ملو اور۔“ لڑکی ٹھکسیائی۔

”کیا تم میرا مذاق اڑا رہی ہو۔“ حید نے آنکھیں نکالیں۔

”نہیں..... ہرگز نہیں۔“

”بس ختم کرو۔“ حید کا لہجہ بے حد خشک تھا۔ ”اگر کسی نے ہمیں یہاں اس تالے میں کھڑے دیکھ لیا تو۔“

”میں نہیں ڈرتی ان چیزوں سے۔“ وہ ہنس کر بولی۔ ”بلکہ اگر کوئی کسی قسم کے شے میں جگلا ہو کر میرے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات کہتا ہے تو ایک خاص قسم کی لذت محسوس کرتی ہوں۔“

”ارے تم تو لذتوں کی فیکٹری معلوم ہوتی ہو۔“

”اچھا جملہ ہے..... پسند آیا۔“

”یہ بڑی سونچوں والا کون تھا جسے دیکھتے ہی دم دبا کر بھاگی تھیں؟“

”مسٹر جیری وکٹر..... مائی فادر..... مسٹر وکٹر اور فادر کے قوانین کیسے رہے! کیوں؟“

”میرا وقت نہ برباد کرو.....“ حید چڑھائی کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

”نمبر دو.....!“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”اگر میری مرضی کے خلاف ایک قدم بھی اٹھایا

تو بڑی زحمت میں پڑ جاؤ گے وکیل صاحب۔“

”کیا مطلب.....!“

”اگر تمہارا گریبان کپڑ کر چننا شروع کر دوں تو کیسی رہے۔“

”خبر آجائے۔“ حید آنکھیں بند کر کے بولا۔ ”میں خود کو لذتوں کا پرنٹنگ پریس محسوس کرنے لگوں گا۔“

”اچھا جاؤ دفع ہو جاؤ..... میں تمہیں دیکھ لوں گی۔“

حید کچ کچ بھی سوچ رہا تھا کہ اگر کسی نے انہیں یہاں اس تالے میں کھڑے دیکھ لیا تو



حید وہاں سے ہٹ کر پھر سڑک پر آگیا۔ سوچ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ کیا اس پاس کے لوگوں سے پوچھ گچھ کرنا ضروری ہے؟

لیکن کیا پوچھ گچھ کی جائے؟ وہ ٹھیک..... اس کار کے بارے میں جس کا تذکرہ لڑی نے کیا تھا؟ لیکن ضروری نہیں کہ وہ سچ ہی بول رہی ہو۔

حید پھر مالک مکان کی طرف چلا۔

”ایک بات.....!“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”کیا یہاں کبھی آپ نے کوئی ایسی کار بھی دیکھی ہے جس کے نمبر پلیٹ پر فخری آف فلان افیئر ز لکھا ہوا ہو۔“

”اکثر دکھائی دیتی تھی.....“ مالک مکان نے اکتائے ہوئے لہجے میں لاپرواہی سے کہا۔

”کیا وہ کوئی بہت وجیبہ آدمی تھا۔“

”ارے بھئی صاحب ہوتے تھے اس پر.....!“

”کون بھئی.....؟“

”ممکن ہے آپ نہ جانتے ہوں..... وہ تو بہت مشہور آدمی ہیں۔ بہت سوشل۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ ان کا عہدہ کیا ہے۔“

”کار خود ذرا بڑا تھا۔“

”میرا خیال ہے کہ خودی ذرائع کرتے تھے۔“

”لڑکی اس کے ساتھ باہر بھی جاتی تھی۔“ حید نے پوچھا۔

اس نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”دیکھئے جناب میں دل کا مریض ہوں۔ آج بہت زیادہ ذہنی جھکے لگے ہیں۔ براہ کرم یہ بتا دیجئے کہ آپ کا ٹھکانہ اچانک اس طرف کیسے متوجہ ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ خود کو بیسائی ظاہر کر کے کوئی مکان کرایہ پر حاصل کر لیا ایسا بڑا جرم نہیں ہے جس کے لئے ٹھکانہ سرانجام رسانی کو حرکت میں آنا پڑے۔“

”آپ کو یہ سوال میرے چیف سے کرنا چاہئے تھا۔“

”آپ ہی کرم کیجئے میرے حال پر دور نہ مجھ پر دل کا دورہ بھی پڑ سکتا ہے۔“

”مجھے افسوس ہے اپنی لاعلمی پر۔“

”آپ نہیں جانتے۔“

”قطعاً نہیں۔ ہم جیسے لوگ تو صرف احکامات کے پابند ہوتے ہیں۔“

”اوہ.....!“

پھر وہ کچھ اور بھی کہنے والا تھا کہ حید تیزی سے دوسری طرف مڑ گیا۔ چرچ روڈ تک پہنچا ہی جاتا تھا کیونکہ دور دور تک کوئی ٹیکسی نہیں دکھائی دیتی تھی۔

وہ سوچ رہا تھا کہ فلان آفس کے کسی ایسے بھئی کا پتہ لگانا دشوار نہ ہو گا جو بہت سوشل ہو۔ فی الحال اتنی ہی معلومات کافی ہیں یہاں سر کھپانے سے کیا فائدہ۔

اچھی طرح اندھیرا پھیل گیا تھا اور سڑک کے کنارے لگے ہوئے الیکٹرک پولس کے نیچے جگمگانے لگے تھے۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا چرچ روڈ کی طرف جا رہا تھا کہ اچانک بائیں جانب ایک اسکوٹر رکی اور ہلکے سے قہقہے کی آواز آئی۔ آواز جانی پہچانی تھی۔ اس لئے بے ساختہ مڑنا پڑا۔

جولی وکٹر مضحکہ انداز میں ہنس رہی تھی۔ لیکن حید کو اتنا ہوش کہاں تھا کہ کسی کے رویہ پر دھیان دیتا۔ وہ اس کے سانچے میں ڈھلے ہوئے جسم کو دیکھتا رہ گیا۔ سیاہ جین اور ہلکی زرد شرٹ میں گویا قیامت سامنے آنکھری ہوئی تھی۔

”آؤ..... کہاں جانا چاہتے ہو..... میں پہنچا دوں۔“ اس نے بڑے بے تکلفی سے

کہا۔

”تت..... تم پہنچا دو گی۔“

”ہاں آؤ جلدی کرو۔“

”صبح کے اخبارات خوب فروخت ہوں گے۔“

”کیا مطلب.....!“

”میں نے ابھی تک اس شہر میں ایسی کوئی بدعت نہیں دیکھی۔“

”جلدی سے صاف صاف کہو..... کیا کہنا چاہتے ہو۔“

”تم پیچھے بیٹھو گی..... میں چلاؤں گا۔“

”کیوں.....؟“

”لوگ کہیں گے کیسا معقول شوہر یا بوائے فرینڈ ہے کہ خود پیچھے بیٹھا ہو۔“

”اب تو تمہیں پیچھے ہی بیٹھنا پڑے گا۔“

”کوئی زبردستی ہے..... میں پیدل جاؤں گا۔“

”زحمت میں پڑو گے..... اگر میرا کہنا نہ مانا۔“

”کیا کرو گی تم.....؟“

”دبی پرانا حربہ..... شور مچانا شروع کر دوں گی۔ لوگ اکٹھا ہو جائیں گے۔“

حیدر تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر خنڈی سانس لے کر بولا۔ ”اچھی بات ہے.....“

لیکن.....“

لیکن جملہ ”لیکن“ سے آگے نہ بڑھ سکا۔

حیدر کو اس معتمد خیزی پر ہنسی آ رہی تھی۔ لوگ انہیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے اور اسکو زبردستی سے اجاڑ رہا تھا۔

”وہ قطعی خاموش تھا دیکھنا چاہتا تھا کہ لڑکی اسے کہاں لے جاتی ہے لے کہاں جاتی.....“

یونہی بے مقصد شہر کی مختلف سڑکوں پر لئے پھر رہی تھی۔

کچھ دیر بعد حیدر نے محسوس کیا کہ وہ کچھ تماشا بن کر رہ گئے ہیں۔ کئی جگہ تو آوارہ قسم

کے لوگوں نے آواز سے بھی نکتے تھے لیکن وہ اسی طرح ڈھینچتا پھاڑتا رہا۔

آخر ایک جگہ وہ اسکو زبردستی سے جھٹک کر بولے۔ ”اے..... کیا پٹرول

مفت ملتا ہے۔ مجھے تم بتاتے کیوں نہیں کہ کہاں جانا ہے۔“

”تار جام.....!“ حیدر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ”پٹرول اور ڈلوائے لیتے ہیں۔“

”دلغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ میں تمہیں تار جام لے جاؤں گی۔“

”اچھا تو پھر میں تمہیں لے جاؤں گا۔“

”اتر دو پیچ۔“

”ہرگز نہیں..... یہاں تم شوق سے شور مچا سکتی ہو۔ بھیڑ تو پہلے ہی لگ گئی ہے۔“

سنہری پنکھاریاں

حقیقتاً دس بارہ آدمی اُن سے تھوڑے ہی فاصلے پر رک کر انہیں گھورے جا رہے تھے۔

جولی خنڈی پڑ گئی اور آہستہ سے بولی۔ ”آخر تم چاہتے کیا ہو۔“

”تار جام جانا چاہتا ہوں۔“

”مجھے دس بجے سے پہلے گھر چنچنا ہے۔ ڈیڑی دس بجے کے بعد مجھے گھر سے باہر نہیں

رہنے دیتے۔“

”اچھا چلو..... دس بجے ہی تک کے لئے۔“

جولی نے خنڈی سانس لی اور اسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے اپنی ساق پر اب پیشانی

محسوس کر رہی ہو۔ پھر اس کی پیشانی پر چند شکنیں نمودار ہوئیں اور وہ مسکرا کر بولی۔ ”ایک

تذخیر سمجھ میں آئی ہے۔ اس طرح ہم پوری رات گھر سے باہر گزار سکیں گے۔ تمہاری آواز

میرے خال زلہ بھائی کیسیر سے بہت مشابہ ہے۔ تم ڈیڑی سے فون پر کہہ دو کہ می نے جولی کو

روک لیا ہے..... وہ صبح آئے گی۔“

حیدر کی بائیس کل گئیں..... جلدی سے بولا۔ ”بتاؤ..... بتاؤ..... نمبر

بتاؤ..... وہ سامنے ہی تو ہے ٹیلی فون بوتھ..... ابھی اکال کر کے آیا۔“

”زیادہ بات نہ کرنا۔“

”میں سمجھتا ہوں..... نمبر بتاؤ۔“

”سیون فائیو ڈیون سیون سکس..... بھولنا نہیں..... تمہارا نام کیسیر ہے اور

می نے جولی کو روک لیا ہے۔“

”سمجھ گیا۔“

حیدر اسکوڑ سے آکر ٹیلی فون بوتھ کی طرف جھپٹا۔ بوتھ اتفاق سے خالی ہی ملا۔ دروازہ

بند کر کے فون میں سکڈ والا اور نمبر ڈائل کرنے لگا۔

... بری طرف سے دہانہ پٹی ہوئی سی آواز آئی۔ ”ہلو.....!“

”سم..... میں کیسیر بول رہا ہوں۔“

”کیسیر.....!“ دہانہ کچھ اور ذرا نیچے ہو گئی۔ ”مور کے بچے! تم باز نہیں آؤ گے۔“

حید نے بوکھلا کر نہ صرف سلسلہ منقطع کر دیا بلکہ جولی وکٹر کو ایک گندی سی گالی بھی دی۔ فوری طور پر خیال آیا تھا کہ وہ اسے یہ قوف بنا گئی اور حقیقت بھی یہی تھی۔ بو تھ سے باہر نکل کر دیکھا تو اسکوڑ کا کہیں پہنچ نہ تھا۔

وہ دانت چیتا ہوا پھر بو تھ کی طرف مڑ گیا۔

دی نبر پھر ڈائل کئے۔ دہاڑ پھر سنائی دی اور حید نے کسی عورت کی سی آواز میں کہا۔

”میں جولی ہوں۔“

”تم کہاں ہو۔“

”گیسپر کے ساتھ۔“

”کیا.....؟ تمہارا دل بگڑا تو نہیں خراب ہو گیا۔“

”ڈیڑی..... یہ ظلم ہے۔“

”ڈیڑی کی بچی..... اب میں تجھے مار دوں گا۔“

حید ماؤ تھ جیسے عی میں کھانسنے لگا۔ مقصد یہ تھا کہ دوبارہ بولنے پر آواز کچھ بھرائی ہوئی سی ہو تاکہ دوسری طرف سے بولنے والا کسی قسم کے شے میں نہ جکلا ہو سکے۔ لیکن دوسری طرف سے فوراً ہی آواز آئی۔ ”تم کھانسی رہی ہو..... تو اس حراسر اداے نے بلا آخر تمہیں بھی چرس پینا سکھای دیا۔ آج تمہاری خیریت نہیں، فوراً واپس آؤ۔“

”ڈیڑی.....!“

”واپس آؤ.....!“

”اچھا.....“ حید نے مردہ سی آواز میں کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس بار بو تھ سے باہر نکلا تو ایسا خوش و خرم نظر آ رہا تھا جیسے اچانک کسی خوشخبری نے دل کی کلی کھلا دی ہو۔

نیکی میں بیٹھ کر گھر واپس آیا۔ فریدی لاہری میں کسی چارٹ پر بھکا ہوا ملا۔

قل اس کے کہ وہ کچھ پوچھتا حید نے خود ہی اپنی کار گزار یوں کا راگ الاہنا شروع کر دیا۔ لیکن کہانی کا وہ حصہ صاف اڑا گیا جس میں جولی وکٹر اپنے سکوتر سمیت داخل ہوئی تھی۔

”بھئی.....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا زیر لب بڑبڑایا۔ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔

”میں ایسے ایک بھئی کو جانتا ہوں جو بہت سوشل تھا..... شافٹی تحریکوں میں حصہ لیتا رہتا تھا..... لیکن.....!“

”لیکن کیا.....؟“ حید نے پوچھا۔

”کچھ نہیں۔“ اُس نے کہا اور اُس میز کی طرف بڑھا جس پر فون رکھا ہوا تھا۔ کسی کے نبر ڈائل کر کے ماؤ تھ پیس میں بولا۔ ”منسٹری آف فارن افیئرز کے مسٹر بھئی کی ایکس آر ی تصویر چاہئے۔ ہاں میں گھر سے بولی رہا ہوں..... ہوں ٹھیک ہے..... میں منٹ کافی ہوں گے۔“

سلسلہ منقطع کر کے وہ حید کی طرف مڑا۔ آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

”اس مکان کی تلاشی کا کیا نتیجہ نکلا؟“ حید نے پوچھا۔

”کچھ بھی نہیں..... انہوں نے کوئی نشان نہیں چھوڑا۔“

”لاش کے سر ہتھیلیوں اور انگوٹوں کے متعلق کیا خیال ہے؟“

”وہ کسی سوٹ کیس میں بہ آسانی لے جائے جاسکے ہوں گے۔“

”اسی طرح لاش بھی ٹھکانے لگائی جاسکتی تھی۔ اس کھراگ کی کیا ضرورت تھی۔ اس طرح تو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔“

”اس طرح لے جانے کے لئے لاش کے بھی ٹکڑے کرنے پڑتے۔“

”پھر بھی یہ ہماقت..... میری سمجھ میں تو نہیں آ رہی۔“ حید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ لاش کو مکان ہی میں چھوڑ کر لاپٹہ ہو سکتے تھے۔ آخر اس طرح شارع عام پر لاڈالنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟“

”فی الحال صرف یہی ایک البھاؤ ہے۔“ فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے

پر تنقید انداز میں کہا۔

”خیر ہو گا۔“ حید نے لاپردائی سے شانوں کو جنبش دی۔ ”آپ اتنی جلدی ٹھیک اسی

جگہ کیسے جا پہنچے تھے۔“

”سانے کی بات تھی۔“

”یعنی.....!“

”خود ہی ذہن پر زور دو۔“ فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

”کیا ضرورت ہے۔“ حمید نے لا پرواہی سے کہا اور پائپ سلگانے لگا۔

یہ جملہ ادا کرتے وقت جنازے کا خیال آیا۔ پھر مذہبی نقطہ نظر سے جنازے کو چالیس قدم پہنچانے کی تاکید یاد آئی اور پھر تو ذہن فراموشی بھرنے لگا۔

ذرا سی دیر میں یہ بات سمجھ میں آگئی کہ فریدی اتنی جلدی ٹھیک اسی جگہ کیسے جا پہنچا تھا جہاں سے جنازہ اٹھایا گیا تھا۔

وہ یہ بھی جانتا تھا کہ جی۔سی۔ ایچ سوسائٹی میں کوئی غیر عیسائی نہیں رہتا۔ اس کا بھی علم تھا کہ مکانات کرایہ پر حاصل کرنے کے لئے مالک کی بجائے سب سے پہلے سوسائٹی کے دفتر سے رابطہ قائم کرنا پڑتا ہے۔ وہاں سے کھل کر یہ جواب تو نہیں ملتا کہ کسی غیر عیسائی کو مکان کرایہ پر نہیں دیا جاسکتا بلکہ خواہشمند کے نام سے مذہب کا اندازہ کر کے اسے کسی جیلے سے مل دیا جاتا ہے۔

فریدی نے اس نیک دل آدمی سے خاص طور پر پوچھا تھا کہ اس جنازے پر اس کی پہلی نظر کہاں پڑی تھی۔ مقام کے قسمن پر بار بار زور دے رہا تھا۔ بہر حال یہ معلوم کر لینے کے بعد کہ اس نے وہ جنازہ چرچ روڈ کے کراسنگ پر دیکھا تھا جائے واردات کا پتہ لگالینا حقیقتاً مشکل کام نہیں تھا۔ اس جگہ اسے جنازے کے ساتھ صرف پانچ آدمی نظر آئے تھے اس کا مطلب یہ تھا کہ جنازہ کسی قریبی ہی بستی سے روانہ ہوا ہو گا اور وہ بستی بھی ایسی ہی ہو سکتی تھی جہاں دوسرے مذہب کے لوگ آباد رہے ہوں۔ ورنہ جنازے کے ساتھ صرف پانچ ہی آدمی نہ ہوتے۔ ایسے موقع پر ہر مسلمان کو جنازے کو چالیس قدم پہنچانے کا فرض یقینی طور پر یاد آتا ہے چاہے وہ کتنا ہی آزاد خیال کیوں نہ ہو۔ لہذا یہ بات طے پاگئی کہ وہ کسی ایسی بستی سے روانہ ہوا ہو گا جہاں مسلمان آباد نہ رہے ہوں۔ شہر میں جی۔سی۔ ایچ سوسائٹی کے علاوہ اور ایسی کوئی بستی نہیں تھی۔ چرچ روڈ کے کراسنگ سے قریب بھی تھی..... جنازے کے ساتھ صرف

پانچ ہی آدمیوں کا ہونا یہ بھی ثابت کرتا تھا کہ کراسنگ تک پہنچنے کے لئے اس نے کوئی لمبا فاصلہ نہیں طے کیا۔ ورنہ کتنے ہی مسلمان راگبیر اس کے ساتھ ہوتے۔

حمید نے طویل سانس لی اور فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

”کیوں.....؟ کیا سوچ رہے ہو۔“ فریدی مسکرایا۔

”یہی کہ میں دیدہ و دانستہ اپنا کارگزار نہیں بننا چاہتا۔“

”کیونکہ کارگزار کی کاغذاتی اس سے ہے۔“ فریدی نے کینٹی پرائنگی رکھتے ہوئے کہا۔

”ہو گا.....!“ حمید نے لا پرواہی سے شانے جھٹکائے۔ ”کارگزار گدھوں پر ناکارہ

گدھوں کا بوجھ بھی لا دیا جاتا ہے۔“

”ہوں..... تو تم اس لئے بھن رہے ہو کہ میں اطلاع ملتے ہی خود کیوں دوڑ پڑا تھا۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی..... فریدی نے ہاتھ بڑھا کر ریسور اٹھایا

اور ہاتھ پیس میں بولا۔ ”ہیلو..... ہاں..... ہاں..... ٹھیک ہے..... میں چرچ روڈ

کے کراسنگ پر خنک رہوں گا۔“

ریسور رکھ کر وہ حمید کی طرف مڑا۔

”شاید ہمیں پھر وہیں جانا پڑے۔“ اس نے کہا۔

”ضرور تشریف لے جائے۔“ حمید کا لہجہ بے حد سعادت مند تھا۔

”اُوہ تو تم اس سے یہ بھی نہیں معلوم کرتا چاہے کہ وہ تمہیں اس طرح کیوں چھوڑ

بھاگی تھی۔“

”کیا مطلب.....!“ حمید کے لہجے میں سختی بھی تھی اور حیرت بھی۔

”میں جولی وکٹر کی بات کر رہا تھا۔“

”لعلت ہے میری زندگی پر.....!“ حمید حیرت منکج کر بولا۔

”غلط نہ سمجھو..... وہ محض ایک اتفاق تھا کہ کسی نے تمہیں دیکھ لیا، خاص طور پر کسی

کو اس کے لئے ہدایت نہیں دی گئی تھی..... چلو.....“ فریدی اسے دروازے کی طرف

دھکیلتا ہوا بولا۔

اب وہ پھر چرچ روڈ کے کراسنگ کی طرف جا رہے تھے۔ ایک جگہ فریدی نے گاڑی روکی..... بائیں جانب والے فٹ پاتھ سے ایک آدمی گاڑی کی طرف آیا اور فریدی کو زبردست جھک کا ایک لفافہ دے کر آگے بڑھ گیا۔

گاڑی پھر چل پڑی۔

کچھ دیر بعد حمید کی دانت میں وہ پھر مالک مکان کو بور کر رہے تھے۔

فریدی نے جیب سے وہی زرد لفافہ نکالا جو اُسے راتے میں کسی نے دیا تھا..... اور لفافے سے ایک تصویر برآمد ہوئی۔

”ذرا دیکھئے.....“ فریدی نے اُسے مالک مکان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”لیا آپ نے اسی ہمکنی کا تذکرہ کیا تھا.....؟“

مالک مکان نے اُس پر اچھٹی سی نظر ڈال کر کہا۔ ”جی ہاں..... جی ہاں۔“

”آپ نے اسے آخری بار یہاں کب دیکھا تھا۔“

”یہ تو کل رات بھی آئے تھے ان لوگوں کے پاس۔“

”عورت کا شوہر بھی موجود تھا.....؟“

”جی ہاں..... کل وہ بھی کہیں باہر ہی سے آیا تھا۔“

”اچھا شکریہ.....!“ فریدی اس سے تصویر لے کر جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ ”مزید

تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔“

”خدا ارباب دینے کیا چکر ہے۔ میں دل کا مریض ہوں۔“ مالک مکان نے کھکھیا کر کہا۔

”اوہ فکر نہ کیجئے۔ آپ کے لئے کوئی پریشان کن بات نہیں ہو سکتی۔“ فریدی اس کا شک

تھک کر بولا۔

واپسی پر حمید نے جولی دکنز کے مکان پر اچھٹی سی نظر ڈالی۔ کسی کھڑکی میں بھی روشنی نہ

دکھائی دی۔

دوسری طرف فریدی کی کہہ رہا تھا۔ ”اور یہ ہمکنی پچھلے سال ایک حادثے کا شکار ہو کر

مر چکا ہے۔“

”مر چکا ہو گا..... لیکن میری خندیں حرام کرنے کے لئے اسے دوبارہ پیدا ہونا پڑا ہے۔“ حمید نے جلد سے لہجے میں کہا۔

## غیر معمولی کھوپڑی

فریدی کچھ نہ بولا۔ کار تیز رفتاری سے شہر کی سڑکوں پر دوڑتی رہی..... پھر حمید

اوتھکنے لگا۔

پھر کہیں گاڑی رکی تھی اور فریدی نے اُسے جھنجھوڑ کر ہوشیار کیا تھا۔

”میں جاگ رہا ہوں۔“ وہ پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا۔ ان دنوں نہ جانے کیوں اس

کے ذہن پر جھلاہٹ طاری رہتی تھی۔ کبھی کبھی موڑ اچھا بھی ہوتا..... لیکن زیادہ تر

ناخوشگوار اثرات ہی ذہن پر چھائے رہتے۔

”اتر دو.....!“ فریدی نے اُسے دوسری جانب کے دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے

کہا۔

حمید اپنی جگہ سے ہٹا بھی نہیں۔ ویسے وہ اپنے نیم غنودہ ذہن پر قابو پانے کی کوشش

کر رہا تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی سوچ رہا تھا کہ بسور بسور کر کام کرنے سے تھکن کا احساس بڑھ جاتا

ہے پھر کیوں نہ ہنسی خوشی جہنم میں بھی چھلانگ لگا دی جائے۔

لہذا اب اس نے گاڑی سے چھلانگ لگائی اور سامنے والی عمارت کے پچانک میں گھستا چلا گیا۔

”کہاں جا رہے ہو.....!“ فریدی غریبا۔

حمید بالکل کسی فلمی مسخرے کے سے انداز میں مزا اور اس طرح پلکیں جھمکنے لگا جیسے

کسی غیر ملکی زبان میں کسی ہونئی بات کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

”واپس آؤ.....!“



”بہت بہتر جناب۔“ وہ گاڑی کا چکر کاٹ کر فریدی کے قریب پہنچتا ہوا بولا۔  
 ”سدرے ہوئے سوڈ میں نظر آ رہے ہو۔“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکتا ہوا  
 مسکرایا۔  
 ”قطعی.....!“

”تب تو میں نے بدل دی اپنی اسکیم.....“ اوسر دیکھو.....“ سانسے اس کھڑکی  
 میں.....“ وہ آدمی بیٹھا ہوا ہے۔“  
 حمید نے سڑک دیکھا..... کھڑکی سے کسی کا سر نظر آ رہا تھا۔ چہرہ دوسری طرف تھا۔ وہ  
 پھر فریدی کی طرف مڑا۔

فریدی بولا۔ ”تم کھڑکی کے قریب جا کر اسے اپنی طرف متوجہ کر دو گے اور اسے ایک  
 گندی سی گالی دے کر تیزی سے گاڑی کی طرف پلٹ آؤ گے۔“  
 ”جی.....“ حمید کی آنکھیں بھی ”جی“ کی طوالت کے ساتھ ہی پھلتی چلی گئیں۔  
 ”جلدی کرو.....!“ فریدی اس کے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔  
 ”مم..... مطلب یہ کہ.....!“  
 ”چلو.....!“

حمید غصہ منی سانس لے کر پھانک کی طرف چل پڑا..... سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ  
 فریدی کیا کرنا چاہتا ہے۔

وہ طوعاً و کرہاً کھڑکی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

قریب پہنچ کر چوکت کے نچلے حصے پر ہاتھ رکھے اور بچوں کے بل کچھ اور پرانے کا  
 ارادہ کر رہا تھا کہ کوئی غصہ منی سی چیز گدی سے آگلی۔ ساتھ یہ بھی محسوس ہوا جیسے فریدی کی  
 گاڑی کا انجن اشارت ہوا اور وہ آگے بھی بڑھ گئی ہو۔

ایک گندی سی گالی حمید نے خود اپنی ذات سے منسوب کرتے ہوئے چپ چاپ دونوں  
 ہاتھ اٹھا دیے۔ کیونکہ گدی سے چپک جانے والی غصہ منی چیز کسی ریلواری کی تال ہی ہو سکتی تھی۔  
 ”بائیں طرف مڑو.....“ کسی نے آہستہ سے حکم لہجے میں کہا۔

مڑنا ہی پڑا..... لیکن وہ خوفزدہ نہیں تھا۔ ہوتا بھی کیسے..... فریدی کے اس رویہ پر  
 غصہ جو اٹھتا تھا اور یہ غصہ اتنا شدید تھا کہ اس پر مرگ ناگہاں کا خوف بھی غالب نہ آ سکا۔  
 پھر جھومک دیا..... اٹھا کر جہنم میں۔ واہرے قربانی کے بکرتے۔ وہ سوچتا اور نامعلوم  
 آدمی کی ہدایات کے مطابق چلتا رہا۔

برآمدے سے گزر کر وہ ایک راہداری میں داخل ہوئے۔ زیادہ دور نہیں چلنا پڑا.....  
 اب وہ اُسی کمرے میں داخل ہو رہے تھے جہاں کھڑکی کے قریب حمید نے کسی کا سر دیکھا تھا۔  
 وہ اب بھی کھڑکی کے قریب ہی ایک کرسی پر ٹکڑا آیا..... اور اب اس کا چہرہ بھی  
 دیکھا جاسکتا تھا۔

پچاس پچپن سال کا ایک صحت مند آدمی تھا۔ لیکن سر کی بناوٹ غیر معمولی تھی۔ اسی  
 بنا پر حمید کو سوچھی بھی خوب..... آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس آدمی کو دیکھنے لگا۔

اُس نے بے حد پر سکون لہجے میں پوچھا۔ ”یہ کون ہے۔“

حمید کو یہاں تک لانے والے نے پشٹ سے جواب دیا۔ ”یہ ایک گاڑی سے اتر کر پھانک  
 میں ٹھس پڑا تھا..... کسی نے اسے آواز دی تھی۔ یہ پھر پلٹ گیا تھا۔ دونوں گاڑی کے قریب  
 کھڑے آہستہ آہستہ گفتگو کرتے رہے تھے۔ یہ پھر اندر آیا تھا اور کھڑکی میں جھانکنے کی کوشش  
 کرنے لگا تھا۔“

”دوسرا کہاں ہے۔“ کھڑکی کے قریب بیٹھے ہوئے آدمی نے پوچھا۔

”وہ گاڑی میں بیٹھ کر نکل گیا۔“

”خدا غارت کرے میرے اس شوق کو.....“ حمید بھرائی ہوئی آواز میں بڑبڑایا۔  
 وہ آدمی اُسے گھورنے لگا کچھ بولا نہیں۔

ریلواری کی تال حمید کی گردن سے ہٹ چکی تھی۔ لیکن اسے استعمال کرنے والا اب بھی  
 اس کے پیچھے موجود تھا۔

”لیکن تم انہیں زبردستی یہاں کیوں لائے۔“ کھڑکی کے قریب بیٹھے ہوئے آدمی نے  
 دوسرے سے پوچھا۔

”ان صاحب کا کوئی قصور نہیں جناب۔“ حمید نے نہایت ادب سے کہا۔ ”میں نے حرکت ہی ایسی کی تھی۔“

”یعنی.....!“

”بس کیا عرض کروں اپنے اس خبط کے ہاتھوں پر بار ہوں۔“

”اس خبط کا تذکرہ میرے لئے بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔“ وہ آدمی مسکرا کر بولا۔

”کاسے سر کی بناوٹ کا مطالعہ۔“

”اوہ..... تو آپ کو میری کھوپڑی دوری سے قابل توجہ نظر آئی تھی۔“

”یہی بات ہے..... میں نے اپنے ساتھی سے گاڑی روکنے کو کہا تھا اور اسے کچھ بتائے بغیر چانک میں گھس پڑا تھا۔“

”لیکن ساتھی کیوں بھاگ گیا.....؟“

”ظاہر ہے مجھے اس طرح پکڑے جاتے دیکھ کر وہ کیسے رک سکا تھا۔ دیے اس بچارے نے تو مجھے اس حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔“

”بہر حال اب آپ کو قریب سے مطالعہ کرنے کا موقع مل گیا۔“ اس آدمی نے کہا اور دوسرے سے بولا۔ ”تم جانتے ہو۔ کافی کے لئے کہتے جانا..... آپ تشریف رکھے جناب۔“

حمید شکر یہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔

”قریب آجائیے۔“ پر شفقت لہجے میں کہا گیا۔ ”کرسی کھکانے کی زحمت بھی آپ ہی کو کرنی پڑے گی۔“

”کوئی بات نہیں۔“ حمید اپنی کرسی اس کے قریب کھسکالایا۔

لیکن وہ ستیرا نہ انداز میں اس کے سر کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

”اس ایکٹنگ پر میں تمہیں سو میں سے پچانوے نمبر دے سکتا ہوں کیپٹن مید۔“ دفعتاً اس آدمی نے بے حد خشک لہجے میں کہا۔

”اس کی زبان سے اپنا نام سن کر حمید سنانے میں آگیا۔ پھر قہر اس کے ذہن کوئی دوسری تلابازی کھاتا وہ آدمی بولا۔ میں کرل فریدی کو اتنا گھٹیا آدمی نہیں سمجھتا تھا۔“

”اوہ..... تو کیا..... عجیب اتفاق ہے۔“ حمید نے سنبھالا لینا چاہا لیکن حالات کا علم نہ ہونے کی بناء پر کوئی ڈھنگ کی بات نہ سوچی۔

”تعلق نہیں۔“ وہ آدمی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”کسی قسم کی صفائی کی ضرورت نہیں۔ اب اپنی کرپشن پولیس ہی تمہیں یہاں سے لے جائے گی۔“

”دیکھئے غلط نہ سمجھئے۔ کرل صاحب کا اس واقعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ یقین کیجئے میں تو آپ کے نام تک سے واقف نہیں۔“

وہ آدمی کچھ بولے بغیر حمید کو اس طرح گھورتا رہا جیسے اس کی کہی ہوئی بات کو تولنے کی کوشش کر رہا ہو۔

”میں یقین نہیں کر سکتا۔“ کچھ..... بعد اس نے کہا۔

”میں نہیں جانتا کہ آپ دونوں کے درمیان کیا ہے۔ لیکن اگر مجھے کرل ہی نے بھیجا ہے تو اس کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟“ حمید بولا۔

”یہ بھی تمہی بتاؤں گے۔“

حمید کچھ کہنے والا تھا کہ کافی کی ٹرالی آگئی۔

عجیب چکر ہے۔ اس نے سوچا۔ ابھی اپنی کرپشن پولیس کی دھمکی دی تھی اور اس سے پہلے کافی منکوا چکا تھا۔

کافی کی ٹرالی اس کے قریب لگھوی گئی اور وہ اپنے لئے کافی بنانے لگا۔ اب حمید نے دیکھا کہ کپ ایک ہی تھا۔ پکاسور معلوم ہوتا ہے۔ اس نے سوچا اور پھر اپنی اس خوش فہمی پر تباہ آنے لگا کہ اس نے نہ کسی اخلاق کا مظاہرہ کرنے کے لئے کافی طلب کی تھی۔

وہ خاموشی سے کافی کی چسکیاں لینا اور حمید کو گھورتا رہا۔ اس کی نر پچاس سے تجاوز کر چکی تھی لیکن ہاتھ ہیر سے مضبوط معلوم ہوتا تھا۔ کھوپڑی انڈے کے چھلکے کی طرح شفاف تھی۔ لیکن اس کی بناوٹ کی بناء پر ہزاروں میں پہچانا جاسکتا تھا۔

کافی ختم کر کے اس نے پاپ سلگایا اس دوران میں حمید پر سے ایک ہل کے لئے بھی نظر نہیں ہٹائی تھی۔

حید نے بھی جیب سے تمباکو کی پائچ اور پائپ نکالا..... پائپ میں تمباکو بھرنا ہوا ہوا۔  
 ”آپ کی صحت بہت اچھی ہے لیکن آپ تمباکو کی پی پی کر اسے تباہ کر لیں گے۔“  
 ”میں دشمنوں کو کافی نہیں آفر کرتا۔“ اُس نے نہ اسات بنا کر کہا۔  
 ”آخر میں بھی تو سنوں کہ دشمنی کی نوعیت کیا ہے۔“  
 ”پچھلے سال سوئزر لینڈ میں ہمارا جھگڑا ہو گیا تھا۔“

حید کو یاد آیا کہ فریدی پچھلے سال صرف ایک ہفتے کے لئے باہر گیا تھا لیکن آج پیر  
 پہل یہ معلوم ہوا کہ اُس نے دو ایک ہفتہ سوئزر لینڈ میں گزارا تھا۔ پھر جب اس نے یہی نہیں  
 بتایا تھا کہ وہ گیا کہاں تھا تو اس سفر کی غرض و عاقبت کا علم حید کو کیسے ہوتا۔

”سوئزر لینڈ جیسے ٹھنڈے مقام پر بھی جھگڑے ہو سکتے ہیں۔“ حید نے حیرت سے کہا۔  
 ”وہ معاملہ بے حد گرم تھا۔“ جواب ملا۔ لیکن کہنے کے انداز سے پتہ لگانا دشوار تھا کہ یہ  
 جملہ مزاح کہا گیا ہے یا سنجیدگی سے۔

”شہسوار کی کا متا بل؟“ حید نے پوچھا۔

”جی نہیں..... ایک لڑکی کا معاملہ تھا..... ایک بابے سے وہ میرے ساتھ تھی اپنی ایک  
 آپ آکر دے۔“

”یعنی کرقل فریدی۔“ حید اچھل پڑا۔

”کیوں..... تمہیں حیرت کیوں ہے؟“

”کچھ نہیں..... یونہی۔“

دو زہریلی سی فہمی کے ساتھ ہوا۔ ”میں سمجھتا ہوں یہاں اُس کا برشتا۔“ متحیر رہ جانے کا

اُس بات پر..... پراسائی کے جھنڈے گاڑ رکھے ہیں تاہیں۔“

”تو..... اُس لڑکی کے لئے۔“

”ہاں..... اُسے میرے ہٹ سے زبردستی اٹھالے گیا تھا۔“

”قرب قیامت کی شہنی.....!“ حید ٹھنڈی سانس لے کر ہوا۔

”تم نہیں تھے اُس کے ساتھ۔“

”اچی استغفر اللہ..... یہ حقیر فقیر دوسرے ٹائپ کا واقع ہوا ہے..... دیکھی سی پر  
 قاعدت کرتا ہے۔ سوئزر لینڈ وغیرہ کون بھاگتا پھرے۔“  
 ”تم دونوں سی.....!“

”بس جناب..... ہوتی ہے اگر آپ نے میری شان میں کوئی مذہباً کلمہ زبان سے ادا  
 فرمایا تو.....“ حید جملہ پورا کئے بغیر سی کر سی سے اٹھ گیا۔  
 ”کیا کرو گے تم.....!“

”کر گزرنے کے بعد سی غور کرتا ہوں کہ کیا کر گزرا۔“

”مجھے پچھانتے ہو.....؟“ وہ آنکھیں نکال کر غریبا۔

”یہی بہتر ہے کہ نہیں پچھاننا ورنہ ہو سکتا تھا کہ مروت آجاتی۔“

”میں پیش اس سبلی کا مبر ہوں..... راغبور..... نام سنا ہے کبھی۔“

”نہیں.....“ حید نے کہا تو لیکن نام سن کر سنانے سی میں آگیا تھا۔ مشہور لیڈروں

میں اس کا شمار تھا۔ اگر تصویریں چھپوانے کا شائق ہو تا تو حید نے یقیناً اسے پہچان لیا ہوتا۔ ملک  
 کے بڑے صنعت کاروں میں سے بھی تھا۔

”ہوں.....!“ وہ غریبا۔ ”خیر اب پہچان لو گے۔“

## چھین

یہ کس مصیبت میں پھنسا دیا جناب نے..... حید کا سر چکروانے کے لئے اشارت لینے  
 سی والا تھا کہ اچانک حرم کی حس بھی بیدار ہو گئی اور اس نے بڑے پر جوش لہجے میں کہا۔  
 ”مجھے فخر کرنا چاہئے اپنی اس صلاحیت پر۔“

”کس صلاحیت پر.....!“ طنز یہ لہجے میں پوچھا گیا۔

پلیٹ پر بھی نظر پڑی ہوتی..... تو..... ارے تو بہ تو بہ۔" حیدر اپنا منہ پینے لگا۔

"تو پھر میں تمہیں اپنی کرپشن پولیس کے حوالے نہ کروں۔"

"جی ہاں..... میں تو یہی چاہوں گا کہ ایسا نہ ہو۔"

"تو پھر تمہیں..... ایک تحریر دینی ہوگی۔"

"کیسی تحریر.....؟"

"تم اعتراف کرو گے کہ تمہارے ساتھ ایک لڑکی تھی دونوں بہت زیادہ شراب پئے

ہوئے تھے اور گوشہ غایت کی تلاش میں میری کپاڑے میں آگھے تھے۔ تم دونوں کو میرے

ملازمین نے ناگفتہ بہ حالت میں پکڑا تھا۔"

"ناگفتہ بہ حالت میری سمجھ میں نہیں آئی۔" حیدر اپنی معمولی قسم کی کھوپڑی سہلاتا ہوا

بولا۔

"نکو اس مت کرو۔"

"اچھی بات ہے..... پھر اس کے بعد کیا ہوگا۔"

"میں تمہیں جانے دوں گا۔"

"یعنی..... یعنی..... وہ تحریر.....؟"

"میرے پاس رہے گی۔"

"کیا فائدہ ہوگا اس سے..... میں تو کہتا ہوں کہ آپ مجھے جانے دیجئے اس سے بھی

زیادہ ناگفتہ بہ حالت لکھ کر بذریعہ ڈاک آپ کے پاس بھیج دوں گا۔"

"تم یوں نہیں مانو گے.....؟" راضور نے پھر فون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"ظہر یے..... ایک منٹ.....؟"

"نکو..... جلدی سے۔"

"میں تحریر دے دوں گا..... کاغذ قلم منگو ایے۔"

اور پھر حیدر کو ایک ایسی تحریر دینی پڑی کہ سارے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ جھوٹ پڑا۔

وہ بھی سوچ رہا تھا اچھا ہے بھکتیس کے وہی حضرت جو مجھے کچھ بتائے بغیر جہاں چاہتے ہیں

"وہ کوئی معمولی کھوپڑی نہیں تھی جسے دیکھ کر میں بے قابو ہو گیا تھا۔"

"میرا مذاق ازار ہے ہو.....؟" وہ دہازا

"ہرگز نہیں..... بلکہ اس قدر خوش ہوں کہ اعہار خیال کے لئے مناسب الفاظ نہیں

مل رہے..... ارے کاسہ سر کی ہلاٹ..... میرے خدا کا ش میں آپ کو دنیا کے دوسرے

بڑے آدمیوں کی کھوپڑیوں کے نمونے دکھا سکتا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ مستقبل قریب

میں کیا ہونے والے ہیں۔ صدر مملکت..... نہیں..... یہ عہدہ تو صرف ملک ہی تک

محدود ہے..... لکھ لیجئے کہ آپ ایک بین الاقوامی شخصیت بننے والے ہیں۔"

راضور نے ٹیلی فون کی طرف ہاتھ بڑھایا اور حیدر جلدی جلدی بولنے لگا۔ "میں یہاں

تک بتا سکتا ہوں کہ آپ کن حادثات سے دوچار ہوں گے اور کس طرح گلو خلاصی حاصل

کر سکیں گے..... اور..... اور یہ بھی بتا.....؟"

ماؤتھ پیس میں اس کی "ہلو" کی دہاز سن کر یک بیک خاموش ہو گیا۔ راضور بھی تیزی

سے بول رہا تھا۔ لیکن وہ شائد عجباتی میں کچھ کہہ رہا تھا اور حیدر کو عجباتی قطعی نہیں آتی تھی۔

لہذا وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

راضور ریسور دکھ کر غصیلے انداز میں اُس کی طرف مڑا۔

"اب میری باری ہے سمجھے۔"

"میری بھی ایک گزارش ہے..... وہ یہ کہ..... پلیز..... ایک منٹ ظہر یے.....

مجھے بات پوری کر لینے دیجئے..... شکریہ۔ ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آپ کرمل فریدی

کا غصہ مجھ غریب پر کیوں اتارنا چاہتے ہیں۔ میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں گا کہ کار میں

میرے ساتھ وہ نہیں تھے۔"

"میں الجھتا چاہتا ہوں کرمل فریدی سے۔"

"ضرور الجھئے..... لیکن مجھے درمیان سے ہٹ جانے دیجئے۔"

"میں پوچھتا ہوں تم اس کپاڑے میں بغیر اجازت کیوں داخل ہوئے تھے۔"

"کہہ تو رہا ہوں کہ بے اختیار میں یہ حرکت سرزد ہو گئی تھی..... اگر پھانک پر نیم

کون جانے کہ آنے والے لمحات اسی قصے کو اور کتنا طول دے دیں۔

قصہ؟ لیکن قصہ کیا تھا؟ ہمئی کی تصویر کی شناخت کے لئے وہ جی سی ایچ سوسائٹی گئے تھے اور فریدی نے بتایا تھا کہ وہ تو عرصہ ہوا کسی حادثہ کا شکار ہو کر مر چکا تھا۔ پھر یہ مسز ہمئی جو پچھلی رات تک مقتولہ کے مکان میں دیکھا گیا تھا کون تھا۔ جی سی ایچ سوسائٹی سے واپسی کے بعد حرکت..... کیا مقصد تھا اس کا.....؟

پھر اس کا ذہن صرف لفظ ”مقصد“ کی تکرار کرتا رہا۔

سڑک پر ٹریفک زیادہ نہیں تھا اور یہ پیدل چلنے والا تو شاید تھا ہی تھا۔ دور دور تک کسی دوسرے آدمی کی پرچھائیں بھی نہ دکھائی دیتی تھیں۔

دفعتاً ایک تیز رفتار گاڑی اس کے قریب سے گزری اور کچھ ہی دور جا کر اس کے بریک چڑچڑائے۔ جھٹکے کے ساتھ رکی تھی اور پھر وہ پورس میئر میں ڈالی گئی۔

دوسرے ہی لمحے میں حید کو بھی رک جانا پڑا کیونکہ وہ اس کے قریب ہی آکر پھر رک مٹی تھی۔

”کیپٹن حید.....!“ اندر سے آواز آئی۔ ”گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔“

آواز رانہور کی تھی۔ حید کچھ نہ بولا۔ ساکت و صامت کھڑا رہا۔ گاڑی کے اندر روشنی ہو گئی۔ رانہور اسٹیرنگ کے میٹھے میٹھے ہاتھوں سے گھورے جا رہا تھا۔

”مجھے افسوس ہے، تم پیدل جا رہے تھے، جہاں کہو پہنچا دوں۔“ اس نے کہا۔

”شکریہ..... میں چلا جاؤں گا.....“ حید ہنسا کر بولا۔

”یار تم تو بڑے خوش مزاج مشہور ہو۔“ رانہور نے مسکراتے ہوئے انداز میں کہا۔

”صرف خوبصورت لڑکیوں کی حد تک۔“

”مجھے معلوم ہے۔ مجھے معلوم ہے۔“ رانہور نے قہقہہ لگایا۔ ”آؤ بیٹھ جاؤ۔“

حید نئی طرح بھنایا ہوا تھا۔ اس نے سوچا..... چلو بیٹھو دیکھا جائے گا

اس نے پچھلی نشست کا دروازہ کھولنا چاہا لیکن رانہور اگلی نشست کا دروازہ کھولتا ہوا

بولا۔ ”نہیں ادھر ہی آؤ۔“

تھوٹک دیتے ہیں۔

رانہور معمولی آدمی نہیں تھا۔ حید انہی طرح جانتا تھا کہ ایسی کسی جوشن میں پڑ کر فادر ہارڈ اسٹون کی پیشانی بھی پیچھے بغیر نہ رہ سکی۔ رانہور سے نکرانہ کا مطلب تھا براہ راست حکومت سے نکرانہ۔

اُسے اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ وہاں سے کس طرح رخصت ہوا تھا۔ ہوش تو سڑک پر پہنچنے کے بعد آیا تھا جب پسینے سے بھٹکے ہوئے کپڑوں سے ٹھنڈی ہوا نکل رہی تھی۔

پتہ نہیں وہ کس سمت جا رہا تھا۔ اپنے جوتوں کی کھٹ کھٹ کے علاوہ اس وقت اور کچھ نہیں سنائی دے رہا تھا۔ کتنی ہی غالی نیکیاں قریب سے گزر گئیں لیکن وہ اسی طرح چلتا رہا۔

انداز بالکل ایسے فلمی ہیرو کا سا تھا جو ہیروئن کو کھودینے کے بعد اپنی پار چلا جاتا چاہتا ہے۔

اس سے قبل بھی کئی بار فریدی نے اُسے آزمائشوں میں ڈالا تھا لیکن اس حادثے کی نوعیت ہی الگ تھی۔

آخر اس حرکت کا مقصد کیا تھا..... لیکن فریدی کی وہ اسکیم کامیاب کہاں ہوئی تھی..... زبان ہلانے سے پہلے ہی وہ دھریا گیا تھا..... اگر گالی دے کر بھاگتا تو کیا صورت ہوتی۔ یاد ہی چھپا ہوا آدمی فائر نہ کر دیتا جس نے اس کی گردن پر ریولور کی نال رکھ دی تھی اور پھر یہ رانہور..... سوسائز لینڈ میں کیا ہوا تھا۔ کیا حقیقتاً فریدی وہ ہے جو خود کو ظاہر کرتا ہے۔ کسی لڑکی کے لئے جھگڑا؟ انہی ہی سی معلوم ہوتی ہے۔ حید کو اچھی طرح یاد تھا کہ وہ پچھلے سال ایک ہفتہ کے لئے ملک سے باہر گیا تھا لیکن واپسی پر یہ بتانے سے گریز کرتا رہا تھا کہ وہ ات اس نے کہاں گزاری۔

حید سوچتا رہا..... جھلپٹ بڑھتی رہی..... قدم تیزی سے اٹھتے رہے..... منزل کا تعین کئے بغیر۔

کبھی کبھی قریب سے کوئی تیز رفتار گاڑی گزر جاتی۔

بات کہاں سے شروع ہوئی تھی اور کہاں ختم ہوئی۔ مگر ختم کہاں ہوئی۔



حید نے جیسے ہوئے دروازہ بند کیا اور راضو نے سوکچ دبا کر گاڑی کے اندر بھی روٹنی کر دی۔

گاڑی چل رہی تھی اور حید سبکیوں سے اُسے دیکھے جا رہا تھا۔ راضو نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ رکھے تھے۔

دفعتاً اُس نے اپنے ہاتھ سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔  
”یہ لو۔“

”کیا ہے.....؟“

”تمہارا اعتراف نامہ۔“

”کیوں.....؟“

”فضول ہے میرے لئے۔ میں یونہی جب چاہوں تم لوگوں سے پٹ سکے ہوں۔“

”آپ خواہ مخواہ مجھے کیوں کھسیت رہے ہیں۔ آپ کا جھڑا کرنا عمل فریدی سے ہوا تھا۔ مجھ پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔“

”ہاں ہاں..... کچھ اس خیال سے بھی۔ بہر حال تم اسے ضائع کر سکتے ہو۔“

حید نے کاغذ کی تہہ کھولی..... وہ تحریر تھی جو کچھ دیر پہلے زبردستی اس سے لی گئی تھی۔

”نہیں.....!“ وہ غنڈی سانس لے کر بولا۔ ”میں اسے ضائع کرنے کی بجائے اپنی ممانعت کی یادگار کے طور پر رکھوں گا۔“

”تمہاری مرضی.....!“ راضو نے لاپرواہی سے کہا۔

حید نے اُسے بڑی احتیاط سے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔

گاڑی چلتی رہی..... رفتار خاصی تیز تھی..... لیکن ابھی تک حید نے اس سے یہ پوچھنے کی زحمت نہیں کی تھی کہ وہ اسے کہاں لے جا رہا ہے۔

”ہائے.....!“ پچھلی سیٹ سے ایک سریلی سی خواب آلود آواز آئی۔

حید چونک کر مڑا۔

”آہ..... اس کے الفاظ میں تو پچھلی سیٹ پر قیامت سی سوری تھی اور اسی نے کرلو کر ٹاپا کر ڈٹ بدلی تھی۔

بھرے بھرے سے ہونٹ کسی قدر کھل گئے تھے جن سے سانس کے خلاف دانت جھانک رہے تھے۔ ایک پتلی سی لٹ گال پر خم کھا کر دہانے کے گوشے تک چلی آئی تھی۔ حید کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے خود اس کی ریڑھ کی ہڈی میں فوارے چھوٹ رہے ہوں۔

وہ جلدی سے پھر سیدھا ہو بیٹھا اور سبکیوں سے راضو کی جانب دیکھا وہ پہلے ہی کے اسے انداز میں دغٹ شیلڈ پر نظر جمائے ہوئے تھا..... اس سے قطعی بے تعلق کہ دوسرے کس حال میں ہیں

حید نے کھار کر اُسے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا لیکن اس کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

آخر اُسے بولنا ہی پڑا۔

”ہم کہاں جا رہے ہیں۔“

”رات بڑی خوش گوار ہے..... مگر میں جی نہیں لگ رہا تھا کہیں بھی چلے چلیں گے۔“

حید پر پھر جھلپٹ کا دورہ پڑ گیا۔ لیکن زبان نہ کھل سکی۔ سوچتا رہا..... وہ لوگوں کے

پٹنے اتنی بے تکلفی سے فرما رہے تھے جیسے ہم بہت دنوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں..... اور یہ پیچھے کیا تمہاری خالہ محترمہ استراحت فرما رہی تھیں۔

”لیکن یہ رات میرے لئے تو بے حد ناخوشگوار ثابت ہوئی ہے۔“ حید نے کچھ دیر بعد کہا۔

”کہاں چھوڑ دو بھی..... ابھی تک اسی ادھیڑ پن میں پڑے ہوئے ہو۔ تم جیسے لوگوں کو

تو پیچھے مڑ کر دیکھنا ہی نہ چاہئے۔“

”اتفاقاً نظر اٹھ گئی تھی۔“

”اؤہ..... میرا مطلب تھا گندری ہوئی باتوں کی فکری نہ کرنا چاہئے۔ اُسے تو تم بار بار

مز کر دیکھ سکتے ہو۔“

”شکریہ.....!“ حمید نے سعادت مند لڑکے انداز میں کہا اور باقاعدہ طور پر پچھلی سیٹ کی طرف مڑ گیا۔ لڑکی اب بھی اسی طرح سو رہی تھی..... فرق صرف اتنا ہوا تھا کہ کمال پر مل کھائی سیٹ اب ہاتھ کے نیچے دب گئی تھی۔

”دیکھتے رہو۔“ راضیہ سنجیدگی سے بولا۔ ”اس کے ساتھ ہی ذاتی طور پر رپورٹ کی ہوئی پرنگلی شراب بھی ہے۔“

”مزید شکریہ۔“ حمید نے کہا۔ اب وہ پچھلی سیٹ پر باقاعدہ جھکا ہوا اس طرح سونے والی کا جائزہ لے رہا تھا جیسے خس و خاشاک کے ڈھیر میں گری ہوئی سوئی تلاش کر رہا ہو۔ راضیہ ہنس کر بولا۔ ”واقعی بڑے سو رہو۔“

پھر یک بیک سنجیدہ ہو کر غصیلی آواز میں کہا۔ ”تمہیں میرا احترام کرنا چاہئے۔“

”اکثر میرے والد صاحب بھی یہی کہا کرتے ہیں۔“ حمید سیدھا بیٹھتا ہوا بولا۔ ”مگر کیا کروں عورتوں کے معاملے میں مجبور ہوں..... آدم کی مجبوری سے بھی آپ واقف ہی ہوں گے۔“

بار برداری کے تین بڑے ٹرک سامان سے لدے ہوئے اُن کے قریب سے گزر گئے۔ اب گاڑی رک گئی تھی۔

راضیہ نے حمید سے کہا۔ ”اے جگہ.....!“

گاڑی میں اب اندھیرا تھا..... حمید نے ہاتھ بڑھا کر اُسے جھنجھوڑا..... وہ اچھل پڑی۔ ساتھ ہی حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے ہتھیلی میں کوئی چیز چھ گئی ہو..... اُس نے ”سی“ کر کے ہاتھ کھینچ لیا۔

راضیہ غرار رہا تھا۔ ”اٹھئے رانی صاحبہ..... ایسی بھی کیا نیند۔“

حمید اپنی ہتھیلی میں سوزش سی محسوس کر رہا تھا..... اور عجیب سی سنسنی اس کے سارے جسم میں پھیل گئی تھی۔

راضیہ اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے ایک طرف چلنے لگا۔ وہ بس اس کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔

عجیب خالی الذہنی کا سا عالم تھا۔ ہیر نہیں لڑکھڑاہے تھے۔ وہ مضبوطی سے زمین پر قدم رکھ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک عمارت میں داخل ہوئے جو تاریک نہیں تھی۔ بڑے بڑے پیئرو میکس لیمپوں نے اُسے بقعہ نور بتا رکھا تھا۔

حمید بولنے کے سوز میں تھا۔ بولے جا رہا تھا لیکن یہ عجیب بات تھی کہ اُسے اپنی آواز نہیں سناؤ دیتی تھی۔ لڑکی ہنس رہی تھی۔ تحرک رہی تھی..... ناچ رہی تھی۔ کئی قسم کے ساز بج رہے تھے۔

نفوذ نور کا سیلاب تھا کہ چاروں طرف سے امنڈ آیا تھا..... حمید محسوس کر رہا تھا جیسے اس لڑکی کا وجود پورے ماحول پر چھا گیا ہو۔

وہ بولے جا رہا تھا بے ٹکان۔ یہ سمجھے بغیر کہ کیا کہہ رہا ہے اور سانسے بیٹھا ہوا راضیہ اُسے بالکل چھند معلوم ہو رہا تھا۔

ایک بار لڑکی تحرک کرتی ہوئی راضیہ کے قریب سے گزری اور اُس نے اسے حمید پر دھکیل دیا..... دونوں لڑکھڑاتے ہوئے ایک دوسرے پر گرے..... اندھیرا ہو گیا..... اور ساز

تھم گئے..... پھر پتہ نہیں کیا ہوا کہ حمید کا ذہن بھی اُسی اندھیرے میں ڈوبتا چلا گیا۔

بھاگو

سورج طلوع ہو چکا تھا اور شائد کھلی ہوئی کھڑکی سے براہ راست آنے والی شعاعوں کی حدت اپنے چہرے پر محسوس کر کے ہی وہ جاگ پڑا تھا۔ لیکن یہ کیا.....؟ اُس کے کپڑے کہاں تھے۔ وہ بوکھلا کر الجھ بیٹھا..... چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن اس کمرے میں کہیں کوئی ایسی چیز نہ دکھائی دی جس سے برہنگی کا ازالہ ہو سکتا۔ بستر پر چادر بھی نہیں تھی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتا رہا۔

یہاں ایک مسمری تھی، ایک میز اور دو دریاں۔ لمبوسات کی الماری بھی تھی اس کے قریب ہی جھونے سے اسٹول پر فون رکھا ہوا تھا۔

وہ جھپٹ کر الماری کی طرف آیا۔ الماری کا ہینڈل جھمکتے وقت پھر فون پر نظر پڑی۔

اس کے ریسیور پر سرخ حروف میں "نیا کرا" تحریر تھا۔

اُوہ..... تو کیا یہ نیا کرا ہوٹل کا کوئی کمرہ ہے..... اُس نے سوچا..... لیکن وہ کچھلی رات والی عبارت نیا کرا کی تو ہرگز نہیں تھی۔

الہامی کا دروازہ کھل گیا۔ لیکن وہ خالی تھی۔ نہ تو اسے اپنے کپڑے نظر آئے اور نہ کوئی ایسی چیز جس سے ستر پوشی کی جاسکتی۔

اب وہ سید حافل خانے میں جاگسا..... خدا کی پٹلی یہاں بھی کچھ نہیں تھا۔ ایک تویہ عمل گیا ہوتا..... اب کیا کیا جائے۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور وہ جھپٹ کر باہر نکلا۔ ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔ "کیا آپ کمرے میں ناشتہ پسند فرمائیں گے۔"

"اُوہ..... ہاں.....!" حید جلدی سے بولا۔ "دیکھو بھئی..... میں اس کمرے کا نمبر بھول گیا ہوں۔"

"سکند فلو..... قرنی سکس..... جناب.....!"

"شکریہ..... میں ابھی ناشتے کے لئے خود ہی رنگ کروں گا۔"

"بہت بہتر جناب۔" دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی بھی آواز آئی اور حید نے بھی ریسیور رکھ دیا۔

کچھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ آخر اسے یہاں کس طرح لایا گیا ہو گا۔ اگر وہ ہوش میں ہوتا تو اس طرح کسی کے قابو میں کیوں آتا۔ ظاہر ہے کہ اسے اپنی سادہ نہ رہی ہوگی۔ تو کیا وہ اسے اسٹریچر پر ڈال کر یہاں لائے ہوں گے۔ رجسٹر میں نام کس کا درج کر لیا ہو گا۔

"راٹھور..... راٹھور..... میں تمہیں دیکھ لوں گا۔" وہ دانت چیں کر بڑبڑایا۔

پھر فون کی طرف بڑھا۔ ہوٹل کے انجینئر سے رابطہ قائم کر کے پتا چھپا۔

"کاؤنٹر پلیز.....!"

کاؤنٹر کٹ ہو جانے کے بعد اُس نے کاؤنٹر کلرک سے پوچھا۔ "سکند فلو کے روم

قرنی سکس میں کون مقیم ہے۔"

"آپ کون صاحب ہیں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"سم بوڈی فرام سی۔ آئی۔ بی۔" حید نے جواب دیا۔

"مجھے افسوس ہے جناب..... یہ بات آپ کو پروانزری سے معلوم ہو سکے گی۔"

پروانزری..... حید نے ریسیور رکھتے ہوئے سوچا۔ وہ تو اسے ابھی طرح جانتا

ہے..... پھر کیا کیا جائے۔ شاید آواز بھی پہچان لے۔

دوبارہ فون کا سلسلہ پروانزری سے ملو کر آواز بدلتے ہوئے دی سوال کیا جو کاؤنٹر کلرک سے کیا تھا۔

"آپ کون صاحب ہیں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"سم بوڈی فرام سی۔ آئی۔ بی۔"

"آپ یہاں تشریف لائے..... اپنا آئیڈنٹی کارڈ دکھائیے پھر بتایا جاسکے گا۔"

"کیا بات ہوئی۔" حید غرایا۔

"قوانین جناب..... میں مجبور ہوں۔" کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

حید تھوڑی دیر تک ہر پکڑے بیٹھا رہا پھر ریسیور رکھ کر دوبارہ پروانزری سے سلسلہ ملایا اور اُس بار اپنی اصل آواز میں اسے مخاطب کرتا ہوا بولا۔ "مسٹر شرما..... میں کیپٹن حید بول رہا ہوں۔"

"اُوہ..... تو آپ جاگ رہے ہیں۔ ابھی ابھی کسی نے فون پر آپ کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہا تھا..... آپ ہی کے ٹکے کا حوالہ دے کر لیکن میں نے فی الحال ہوٹل کے قوانین کی آڑ لے کر ٹال دیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اب وہ خود ہی آرہا ہو۔"

"فکر نہ کرو..... بس جلدی سے میرا ایک کام کرو۔ ایک چٹون ایک قمیض اور ایک

بنیان اپنے اسٹور سے لے کر مجھ کو دو۔ قیمت نیچے آکر ادا کروں گا۔"

"سائز بتائیے..... ابھی مجھ کو آتا ہوں۔"

حید نے اسے سائز بتا کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

اب وہ دروازے کے قریب کھڑا کپڑوں کا خنجر تھا۔

پھر کپڑے بھی آگے جو دروازے میں تھوڑا سا درہ کر کے باہر کھڑے ہوئے دیر سے لے لئے گئے تھے۔

کپڑے پہن لینے کے بعد جان میں جان آئی اور وہ باہر نکلا۔ پہلی منزل سے اتر کر سیدھا پھر وائزر کے کمرے میں آیا۔ شائد وہ اس کا خنجر ہی تھا اور کسی قدر مضطرب بھی۔

”تشریف رکھئے..... جناب۔“ پچھلی رات تو میں آپ کی حالت دیکھ کر بوکھلا گیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے پہلے کبھی اتنی زیادہ نہ لی ہوگی۔“  
”میرے ساتھ کون تھا۔“

”وہ حضرات..... جنہیں میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔“  
”کیا یہ کمرہ میرے نام سے لیا گیا تھا۔“

”جی ہاں..... انہوں نے کہا تھا کہ وہ آپ کے بھرد ہیں۔ آپ ذیوٹی پر تھے اور آپ نے بہت زیادہ لی لی، وہ دونوں بھرد نہیں چاہتے تھے کہ آپ کے بچکے کا کوئی آدمی آپ کو اس حال میں دیکھے۔ لہذا وہ آپ کو سیدھے یہیں لیتے چلے آئے۔“  
”ہوں..... کیا وقت تھا.....!“

”عائلاً ساڑھے تین بجے تھے۔“

”تمہاری ذیوٹی کس وقت سے شروع ہوئی تھی۔“

”تین بجے۔“ پھر وائزر مسکرا کر بولا۔ ”ادھر میں نے بھی تھوڑی سی احتیاط برتی،

آپ کا اصل نام رجسٹر میں درج نہیں ہونے دیا۔“

”بہت بہتر۔“

”لیکن ایک بات اور سنو..... وہ لوگ اُس کمرے سے بیڈ شیٹ تک اٹھالے گئے ہیں۔

کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جس سے میں..... مطلب یہ کہ..... میرے لئے تو تم نے ہی کپڑے بھجوائے تھے۔“

”اوہ..... یعنی..... اس کا مطلب یہ.....!“

”ہاں نہ صرف میرا پرس لے گئے بلکہ کپڑے بھی۔“

”تو کیا وہ آپ کے لئے اجنبی تھے۔“

”میں نے کسی کی شکل نہیں دیکھی..... یہاں کے ایک ہونٹ میں کولڈ ڈرنک سب

کر رہا تھا..... پھر مجھے کچھ بھی یاد نہیں۔“

”اوہ..... تو یہ..... کوئی۔“

”بہتر ہے کہ اس سلسلے میں اپنی زبان بند ہی رکھنا۔ مجھے کوئی خواب آور دوا دی گئی تھی

کولڈ ڈرنک میں..... خیر..... ہاں تو میں کچھ دیر بعد کپڑوں کی قیمت ادا کر دوں گا.....  
کمرہ اسی نام پر انگیج رہے گا۔“



”بہت اچھے۔“ فریدی نے قہقہہ لگایا۔ سید نے شاید پہلی بار اسے اس طرح ہنستے دیکھا تھا

اور فیسی بھی اُس کی مصیبت بھری داستان پر آئی تھی۔ لہذا اس کا بھی شعلہ جوال بن جاتا ہے حد ضروری تھا۔

”اچانچہ پیٹ پیٹ کر چیخنے لگا۔“ میں اٹو کا پٹھا ہوں اگر اب آپ کا کوئی غیر سرکاری حکم

ہاں۔ ارے اگر وہ مجھے بحالت بے ہوشی قتل ہی کر دیتے تو کیا ہوتا۔“

”کیا تم مجھے اتنا بے خبر سمجھتے ہو؟“

”اوہ..... تو وہ سب کچھ آپ کے علم میں ہوا تھا۔“

”ہاں..... آں..... صرف نیا کرہ پہنچ کر میں نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔“

”اس راتھو کو اگر میں نے شارع عام پر ننگا نہ کیا تو کچھ بھی نہ کیا۔“

”نہیں نہیں..... بغیر سمجھ بوجھ اتنا بڑا عہد ہرگز نہ کرو۔ وہ تو اس بے چارے نے

اپنی زندہ دلی کا مظاہرہ کیا تھا۔“

”زندہ دلی.....!“

”ہاں بھئی..... وہ خود کو بہت خوش مزاج اور زندہ دل تصور کرتا ہے۔“  
”لیکن آپ اُسے گالی کیوں دلاتا چاہتے تھے.....“ حیدر طلق کے بل چینا اور اسے کھانسی آنے لگی۔

”مہر..... مہر..... فرزند.....“ فریدی اس کا شانہ چھٹکا ہوا بولا۔ ”میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس نے اپنی حفاظت کے لئے کس قسم کے انتظامات کر رکھے ہیں۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ ہونٹ ہٹنے سے پہلے ہی تمہاری گردن دبوچ لی جائے گی۔“  
”نور اگر وہ گولی ہی مار دیتا تو۔“

”اس سے پہلے خود اس کا جسم چھلنی ہو جاتا۔“

حیدر نے پاپ میں تمباکو بھرتے ہوئے نر اسامہ بتایا لیکن کچھ بولا نہیں۔  
دفتراے فریدی کے متعلق وہ انکشاف پا چکیا جس نے حیدر کو بڑی دیر تک متحیر رکھا تھا۔  
”راٹھور سے بنائے مقامات کیا ہے۔“ دفتراے نے سراٹھایا۔  
”کیا اس نے نہیں بتایا۔“ فریدی مسکرایا۔

”آپ کی زبان سے سن کر زیادہ محفوظ ہو سکوں گا۔“ حیدر نے زہریلے لہجے میں کہا۔  
”جھگڑا ہوا تھا ایک لڑکی کے لئے۔“

”ہا.....!“ حیدر نے آنکھیں بند کر کے ٹھنڈی سانس لی۔ ”اس گھولنے رہنے میرے کانوں میں.....“

”ایک لڑکی کیلئے جھگڑا ہوا تھا اور میں اسے زبردستی اٹھالے گیا تھا اس کے ہٹ سے۔“  
”یہ شعر تو مطلع سے زیادہ زور دار ہے..... اس لئے سبہ کرار شاہ“

”بڑی خوب صورت لڑکی تھی.....“ فریدی سپاٹ لہجے میں بولا۔ ایسا مظلوم ہوتا تھا جیسے وہ حیدر کی باتوں پر دھیان دیئے بغیر یہ سب کچھ کہہ رہا ہے۔

”بڑی خوبصورت لڑکی تھی حیدر صاحب..... لیکن وہ کوئی سوئس بیٹی نہیں تھی۔“  
”بہر حال لڑکی تھی۔“ حیدر پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”سوئس لڑکیوں میں بھی

عام کل پر زوں سے زیادہ نہیں لگے ہوتے۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ اب وہ خاموش ہو کر سگار سلگانے لگا تھا۔ حیدر نے بھی سوچا کہ اب موضوع بدل دینا چاہئے۔ کئی سوال تھے ذہن میں..... بات بڑھتی تو ان سوالوں سے تعلق رکھنے والی الجھنیں بدستور قائم رہتیں..... اس نے امش ٹرے میں پاپ خلی کرتے ہوئے کہا۔ ”لیکن آپ اس معاملے کو چھوڑ کر یک بیک راٹھور پر کیوں چڑھ دوڑے تھے۔“

فریدی کی نظر میز کے پائے سے ہٹ کر اُس کے چہرے پر جم گئی اور اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”بھئی نے سوئزر لینڈ میں اسی کے ہٹ میں دم توڑا تھا اور اس بات کا علم چند آدمیوں کے علاوہ کسی اور کو نہیں تھا۔ میں جانتا تھا..... راٹھور جانتا تھا اور ہمارا سفیر برائے سوئزر لینڈ..... اور وہ آدمی نور بھی تھے۔“

”بھئی کے گھر والے تو جانتے ہی ہوں گے۔“ حیدر نے کہا۔

”اس کا کوئی قریبی عزیز موجود نہیں جسے اس کی موت یا زندگی سے دلچسپی ہو۔“

”لیکن بھئی کی موت سینہ راز میں کیوں رہی۔“

”بعض بین الاقوامی چیچہ گیاں پیدا ہو سکتی تھیں۔“

”کیا وہ اتنا ہی اہم تھا۔“

”نہیں..... اس سے تعلق رکھنے والے کچھ فرائض کی اہمیت نے اس پالیسی پر مجبور

کر دیا تھا۔ اس کی تنخواہ اب تک الگ رہی ہے اور اس کی وصولیابی بھی بھئی ہی کے جعلی دستخط سے ہوئی ہے۔ لہذا اس بھئی کا تذکرہ سن کر راٹھور کی طرف متوجہ ہونا ضروری تھا۔“

”اور وہ سفیر صاحب۔“

”وہ اب بھی سوئزر لینڈ میں ہے۔“

”لیکن آپ تو یہ مظلوم کرنا چاہتے تھے کہ راٹھور کتنا عیاش ہے۔“

”ہاں.....!“

”میں اس کا یہ مطلب ہوا کہ اس پر پہلے ہی سے نظر تھی آپ کی۔“

”تو کیا تم جیجی بھی سمجھتے ہو کہ میں پچھلے سال سوئزر لینڈ عیاشی کے لئے گیا تھا۔“



”خدا سب کو نیک تو فیق دے۔“ حمید نے کہا اور مسمی صورت بنائے بیٹھا رہا۔

”مجھے یہاں سے بھیجا گیا تھا..... بھئی کی موت کے بعد۔“

”اور آپ وہاں جا کر لڑکیاں اٹھانے لگے تھے۔“

”ہاں..... آں.....!“ فریدی تلخ لہجے میں بولا۔ ”لڑکیوں کے معاملے میں کبھی اپنے فرائض سے غافل ہو جاتے ہیں..... مثال کے طور پر تم نے پچھلی رات راٹھور کو بالتفصیل پورے دن کی رپورٹ دے دی تھی۔“

”میں نے.....!“ حمید متحیرانہ انداز میں اچھل پڑا۔

”جناب نے.....!“

”ہرگز نہیں.....!“

”برخوردار تم نے اسے یہاں تک تو بتایا تھا کہ بھئی کی تصویر شناخت ہو جانے کے بعد ہم لوگ سیدھے اسی کی طرف گئے تھے۔“

”خدا کی قسم مجھے یاد نہیں آ رہا۔“ حمید نے کہا۔ لیکن دفعتاً اسے اپنی وہ کیفیت یاد آئی جو تعقل میں کوئی چیز چھپنے کے بعد ہوئی تھی۔ اسے یاد آگیا کہ وہ اس کے بعد ہی سے بے مکان بولے جا رہا تھا۔ لیکن اسے خود اپنی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے تلوؤں سے آندھیاں سی کھوپڑی کی طرف جارہی ہوں۔

”میرے خدا.....!“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور رحم طلب نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

”ہوں.....!“ فریدی غرایا۔ ”اب کیا کہنا چاہے ہو۔“

”صرف ایک بات..... کہ میں ہوش میں نہیں تھا۔“ حمید نے کہا اور پوری کہانی دہرا دی۔ کہانی کے اختتام پر فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھالیا۔ کچھ ستارہا پھر بولا۔ ”نہیں جناب..... وہ پچھلی رات سے غائب ہے..... ابھی تک مجھے اطلاع نہیں دی کہ کہاں ہے۔ بہتر..... جی ہاں..... فوراً مطلع کر دوں گا جی بہت

اچھا..... خود ہی لے کر آؤں گا۔“

پھر وہ ریسیور رکھ کر حمید کی طرف مڑا۔

”شاید تمہارا اعتراف نامہ راٹھور نے ڈی۔ آئی۔ جی تک پہنچایا دیا۔ براہ راست طلبی کا تو یہی مطلب ہو سکتا ہے۔ اچھا برخوردار جتنی جلد ممکن ہو شہر ہی سے نکل جاؤ..... چھوٹی گاڑی جس کے نمبر اور رنگ حسب ضرورت تبدیل ہوتے رہتے ہیں گیرانج میں موجود ہے۔ ٹنکی بھی قفل ہی ہوگی۔ تار جام کے ہوٹل روانو میں میرے پیغام کے منتظر رہنا۔“

## حملہ

یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اگر اسے پہلے بھی کئی بار وقتی ضرورت کے تحت وہ افسران بالا سے دور بھاگ چکا تھا۔ لیکن اس بار وہ وحشت زدہ تھا اپنی اس تحریر کی بناء پر جو اسے راٹھور کو دینی پڑی تھی۔ وہ اعتراف نامہ اس کے کیریئر کو انداز بنادیتا۔ چھوٹی آکشن تار جام والی سڑک پر ساٹھ اور ستر میل کی رفتار سے دوڑی جا رہی تھی۔ اس نے عقب نما آئینے پر نظر ڈالی۔ وہی سکوتر پھر دکھائی دیا جو شہر ہی سے اس کے پیچھے لگ گیا تھا۔ لیکن اس پر کوئی عورت تھی۔ فاصلہ اتنا زیادہ رہا تھا کہ عورت پہچانی نہیں جاسکتی تھی۔ اس نے سوچا ضروری نہیں کہ وہ اسکا تعاقب کر رہی ہو۔ بہتری خواتین بھی اب ایڈونچر کی تلاش میں تہا بڑے لمبے لمبے سفر کرتی ہیں۔

اس نے اپنی گاڑی کی رفتار کچھ اور تیز کر دی اور فوراً ہی محسوس کیا کہ اسکوٹر کی رفتار بھی اسی مناسبت سے بڑھا دی گئی ہے۔

دونوں کا درمیانی فاصلہ اب بھی اتنا ہی تھا کچھ دور چلنے کے بعد حمید نے آہستہ آہستہ رفتار کم کرنی شروع کی اور اس عورت کی مشاقی پر عیش عیش کرتا رہا کیونکہ اس طرح بھی

دونوں گاڑیوں کے فاصلے میں کوئی فرق نہ ہونے پایا۔

”کو نہہ.....!“ کچھ دیر کے بعد وہ سر جھٹک کر بڑبڑایا۔ ”وہ لینڈی ڈاکٹر انپکڑ رکھا تو ہرگز نہیں ہو سکتی..... پھر ہوا کرے کوئی..... دیکھا جائے گا۔“

ردوانو مار جام کے اچھے ہوٹلوں میں تھا جیسے ہی اس کی گاڑی پورچ میں رکی ایک پورنر نے تیزی سے آگے بڑھ کر گاڑی کا دروازہ کھولا۔

حمید نے پچھلی نشست پر پڑے ہوئے سوٹ کیس کی طرف اشارہ کیا۔

”کاؤنٹر پر آؤ.....!“

پھر وہ گاڑی سے اتر ہی رہا تھا کہ وہ سکور بھی کپاؤنٹر میں داخل ہوتا ہوا دکھائی دیا..... اور..... اور..... وہ اس لڑکی کو پہلی ہی نظر میں پہچان گیا تھا۔ یہ جولی دکنر تھی۔ اس نے لا پرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور سیزر حیاں ملے کر جا ہوا برآمدے میں داخل ہو گیا۔

صدر دروازے سے گزر کر کاؤنٹر پر آیا۔

پھر جب وہ کاؤنٹر کلرک سے سنگل بیڈ روم کے لئے کہہ رہا تھا، فٹا پٹ سے آواز آئی۔

”نہیں..... ڈبل بیڈ روم۔“

آواز جولی دکنر کی تھی اور اس میں بیویوں کی سی غصیلی آواز کی جھلکیاں تھیں۔

بالکل ایسے ہی معلوم ہوتا تھا جیسے بیوی نے اپنے شوہر کو رگے ہاتھوں پکڑ لیا ہو۔

حمید چونک کر مڑا تھا اور پھر اس کے چہرے پر کچھ اس قسم کا اضطراب طاری ہو گیا تھا جیسے واقعی وہ اس کا ناقص شوہر ہی ہو۔

”ہوں..... ہوں..... ڈبل بیڈ.....!“ اس نے رقت آمیز لہجے میں کہا۔

”بہت بہتر جناب۔“ کاؤنٹر کلرک رجسٹر کھولتا ہوا بولا۔ ”کیا نام لکھا جائے۔“

”مسٹر اور مسز گیسپر.....!“ جولی نے تیز آواز میں کہا اور پھر پتہ بھی اپنے ہی مکان کا

لکھوا دیا۔

گیسپر کے نام پر حمید کی جان نکل گئی۔ اسے یاد آیا کہ اس نے خود کو جولی پوزر کے اس کے باپ سے فون پر گیسپر کے متعلق بات کی تھی اور اس کے باپ نے جواب میں کہا تھا کہ اب وہ اسے مارے گا۔

جولی اس پورنر سے جو حمید کا سوٹ کیس لایا تھا کہہ رہی تھی۔ ”گاڑی اور اسکوئر دونوں ایک ہی گیراج میں رہیں گے۔“

”بہت بہتر جناب.....!“ پورنر نے جواب دیا۔

”نمبر نمبر ۲ جناب۔“ کلرک حمید کی طرف کھینچی ہوا حاتھ ہوا بولا۔

کچھ دیر بعد دونوں کمرہ نمبر ۲ میں کمرے کے ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔

”کیا حرکت تھی.....؟“ کچھ دیر بعد حمید نے غصیلی آواز میں کہا۔

”تمہیں اطلاع دینے آئی تھی کہ میں اس وقت جج جج چرس کے نشے میں ہوں۔“

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو۔“

”میری پشت پر تین نیلی دھاریاں ہیں۔ میں تمہارا خون پی جاؤں گی۔“

”شائد تم بہت زیادہ چرس پی گئی ہو۔“

”ڈیڈی کے ہاتھوں پٹ جانے کے بعد میں نے سوچا کہ تم بہت بڑے سور ہو۔ اور پھر

مسٹر جیمز کو بتانا ہی پڑا کہ تم لوگ کون تھے لیکن یہ بتاتے وقت وہ بے حد خائف تھے۔ پھر مجھے

معلوم ہوا کہ وہ غیر معمولی آنکھوں والا کون تھا اب میں تم سے سمجھ لوں گی۔ کیپٹن حمید صبح ہی

سے تمہاری کوٹھی کے آس پاس منڈلاتی رہی تھی۔“

”جانتی ہو کتنا بوجھ ہے مگر سرانجام رسائی کے کسی آفسیر کی نوہ میں رہنا۔“

”ختم کرو..... اب ہم صرف مسٹر اینڈ مسز گیسپر ہیں۔“

”زبردستی۔“

”اس وقت تک رہیں گے جب تک کہ میری پشت سے نیلی دھاریاں غائب نہ

ہو جائیں۔“

”اب کیا مجھے بھی اپنے ڈیڈی سے پوانے کا ارادہ ہے۔“

”مجھے ان کی یہ عادت سخت ناپسند ہے۔“ وہ نہ اسامہ بنا کر بولی۔

”حیرت ہے کہ تم اسے برداشت کیسے کرتی ہو۔“

”مجھے خود بھی حیرت ہے؟“ اس نے معصومانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

”بے وقوف بتانے کی کوشش کر رہی ہو۔“

”قطعی نہیں..... یہ دیکھو کہ میں نے ابھی تک شادی نہیں کی..... عورتوں کا

احترام کرنے والے مہذب لوگ قطعی سخت ناپسند ہیں۔ میں ایسا شوہر چاہتی ہوں جو مجھ پر

غصہ آنے کے بعد درگزر نہ کرے بلکہ تھپڑوں اور گھونسوں کی بارش کر دے۔“

”کیا اس نقلی ازدواجی زندگی میں بھی یہی چلے گا۔“ حید نے اپنے بازوؤں پر ہاتھ

پھیرتے ہوئے پوچھا۔

”اوہ..... یہ تو میں نے تمہیں نے تمہیں زردی کرنے کے لئے مسز اینڈ مسز کیسیر

لکھوا دیا تھا۔“

”لیکن کاؤنٹر کلرک تو یہی سمجھا ہوا کہ تم شوہر کو کڑی عمر میں رکھنے والی کوئی خاتون ہو۔“

”اوہ..... اس نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

اتنے لمبے سنر کے بعد بھی اس کے پھرے گی تازگی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

حید اسے دیکھتا ہوا سوچتا رہا کہ اس سلوٹی رحمت کے لئے بیٹے کی اوہ کھلی کلیاں کتنی

مناسب رہیں گی۔ کاش اس کے بال بھی اتنے لمبے ہوتے کہ جوڑا جاسکتی جوڑے میں بیٹے کی

کلیاں۔ بھرے ہوئے بھرپور ہونٹ..... اوپری ہونٹ پر ہلکی سی سبزی مائل روئیگی.....

اور سانچے میں ڈھلا ہوا جسم۔

دفعہ وہ بولی۔ ”میں تمہارے لئے تمہارا بیچھا نہیں کر رہی۔“

”کیا مطلب.....!“

”تمہارے چیف کے لئے۔“

”میں اب بھی نہیں سمجھا۔“ حید نے جھنجھٹا کر کہا۔

”خفا ہونے کی ضرورت نہیں۔“ وہ ہنس پڑی۔

”چیف میری جیب میں نہیں رکھا رہتا..... تم اسے وہیں کوٹھی میں ہی چھوڑ آئی ہو۔“

”اوہ سنو.....!“ وہ یک بیک سنجیدہ ہو کر بولی۔ پھر کچھ سوچتی رہی۔ اس کے چہرے پر

تشویش کے آثار تھے۔ آخر کچھ دیر بعد بولی۔ ”میں تنہا ہی نہیں منڈلا رہی تھی کوٹھی کے آس

پاس ایک اور آدمی بھی تھا اور وہ صورت سے کوئی اچھا آدمی نہیں معلوم ہوا تھا۔“

”کیا اس نے میرا تعاقب کیا تھا۔“

”نہیں ایسا تو نہیں ہوا تھا۔“

حید نے طویل سانس لی اور فریدی کے متعلق سوچنے لگا۔



لیکن چٹانک سے نکل کر سڑک پر آئی۔ فریدی نے جیسے ہی اسے قریبی سوز پر سونا چاہا

دوسری طرف سے ایک تیز رفتار گاڑی کے بریک چڑھائے۔ فریدی نے فوراً ہی بریک نہ

لگائے ہوتے تو ٹکر لازمی تھی۔

دوسری گاڑی کے اسٹیرنگ پر کوئی عورت تھی۔ جس کے قریب ایک مرد بھی بیٹھا تھا۔

وہ آستین سینٹا ہوا بڑے غصے میں گاڑی سے اترا۔

”کیوں جناب..... دیکھ کر نہیں.....!“

”غلطی میری نہیں تھی۔“ فریدی نے اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی کہا۔

”اوہ..... ڈارلنگ..... میرا دل۔“ دفعہ گاڑی سے عورت کی منمناتی ہوئی سی آواز

آئی اور وہ گاڑی کی طرف دوڑا۔

فریدی ابھی تک اپنی گاڑی سے نہیں اترتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ عورت دونوں ہاتھوں سے بایاں پہلو دبائے کھڑکی پر جھک گئی ہے۔ کار وہی ڈرائیو کر رہی تھی اس لئے اچانک دھچکے کی وجہ سے اس کے اعصاب پر نہ اثر بھی پڑ سکتا تھا۔

اب تو ازراہ ہمدردی فریدی کو بھی گاڑی سے اترنا پڑا۔

ابھی وہ اس کھڑکی کے قریب پہنچا بھی نہیں تھا کہ ہائیں شانے پر شاید ایک بالشت کی اونچائی سے طوفان مگر گیا۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ زمین پر تھا۔ پھر لڑھکھا ہوا سڑک کے نیچے چلا گیا۔

ٹائی گمن سے نکلی ہوئی گولیوں کی بو چھاڑتے ہو چکی تھی۔ سڑک کے دوسرے کنارے پر کھڑی ہوئی جیب جس سے گولیوں کی بو چھاڑ رہی تھی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ چند سیکنڈ کے اندر ہی اندر یہ سب کچھ ہوا۔ شاید ہی کسی کی سمجھ میں آسکا ہو کہ یہ سب کیا تھا۔

فریدی نے گرتے گرتے اندازہ کر لیا تھا اس کار والے عورت اور مرد دونوں ہی چلتی ہو گئے ہوں گے۔ منٹوں آدوں نے عاتبا نہیں پہلے ہی ختم کر دینے کی کوشش کی تھی ورنہ اس وقت فریدی کو شاید دنیا کی کوئی طاقت نہ بچا سکتی۔

وہ دوسری گاڑی پر دھیان دیئے بغیر اپنی گاڑی کی طرف تہمتا۔

جیب ابھی نظر میں ہی تھی..... لیکن بھی تیزی سے آگے بڑھی۔ ساتھ ہی فریدی نے ڈیش بورڈ پر لگا ہوا ایک ٹین دبایا اور بولنے لگا..... ”ہیلو..... ہیلو..... ہیلو“ کوادرز..... قمر ٹین سٹریٹ پر سیاہ رنگ کی ایک تیز رفتار جیب ٹھل کی طرف جا رہی ہے..... اس نے ٹائی گمن چلا کر کچھ لوگوں کو زخمی کر دیا ہے..... ہو سکتا ہے کہ وہ مر رہے ہوں..... ہلو..... ہلو..... میں فریدی آف سی آئی بی بول رہا ہوں۔ میں تعاقب کر رہا ہوں..... اس جیب کا۔“

وہ خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر بعد ڈیش بورڈ سے آواز آئی۔ ”ہلو..... ہلو..... کرل

فریدی پلیز..... فلائنگ سکور ڈروانہ کر دیا گیا ہے۔“

”شکریہ.....!“ فریدی بولا اور اس کی نظر دغہ سکرین پر جمی رہی۔

ڈیش بورڈ سے پھر آواز آئی۔ ”ہلو..... ہلو..... کرل پلیز..... کیا آپ جیب کا نمبر دیکھنے میں کامیاب ہو سکے ہیں۔“

”نہیں..... وہ بہت فاصلے پر ہے..... میں اس کی پوزیشن سے مطلع کرتا رہوں گا۔“ فریدی نے جواب دیا۔

”شکریہ جناب.....!“

یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ اسے ان راستوں سے گزرتا پڑا جہاں ٹریفک سکتل نہیں تھے۔ ہو سکتا تھا جیب والے دیدہ دانستہ ان راستوں کو نظر انداز کر رہے ہوں۔

جلد ہی وہ ایک ویران سڑک پر مڑ گئی جو شہر سے باہر جاتی تھی۔ فریدی نے لرائسنسٹر پر ہینڈ کوادرز کو اس پوزیشن کی بھی اطلاع دی۔

اب جیب کی رفتار پہلے سے بھی زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ فریدی کم از کم اتنا فاصلہ برقرار رکھنا چاہتا تھا کہ ٹائی گمن کا شکلا نہ ہو سکے۔

وہ سوچ رہا تھا کہ وہ اسے ایسی جگہ لے جانا چاہتے ہیں جہاں سے اسے کوئی راہ فرار نہ مل سکے۔

دفعتاً اس نے محسوس کیا کہ جیب کی رفتار کم ہو گئی تھی۔ اس نے بھی ایکسیلیٹر پر دباؤ کم کر دیا۔ ان کی چال اچھی طرح سمجھ میں آگئی تھی۔ وہ اسے زور پلے کر فائنگ کرنا چاہتے تھے۔

ٹائی گمن فریدی کے ہونٹوں سے نمودار ہوئی اور اس نے اسٹیرنگ کے قریب والے دروازے کے ہینڈل کے قریب لگے ہوئے ٹین پر انگلی رکھ دی۔ دروازے ہی میں ایک

خاندان ظاہر ہوا جس میں ہاتھ ڈال کر اس نے ٹائی گمن نکالی اور اسے گود میں رکھ کر اس طرح ہاتھ پھیرنے لگا جیسے وہ کوئی چیتا کتے کا پلا ہو۔ اس وقت عجیب سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں

پر تھی۔ اس مسکراہٹ میں طنز بھی تھا، حقارت بھی تھی اور سفاکی بھی۔

جپ دفعتاً اس طرح رک کی جیسے اچانک کوئی سامنے آگیا ہو۔ پورے بریک لگے تھے۔ مشینی طور پر فریدی نے بھی پورے بریک لگائے اور گاڑی کا دروازہ کھول کر مائی گن سمیت ڈھلان میں چٹانگ لگا دی۔

فوراً ہی دوسری طرف سے مائی گن کی تڑتڑاہٹ سنائی دینے لگی۔ ڈھلان میں مہمی جھانپاں تھیں جن کی بناء پر فریدی زیادہ دور تک نہیں پھسلا تھا۔ ورنہ یہ چٹانگ اُسے ڈھلان کے اختتام ہی تک لے جاتی۔

وہ جلد سے جلد کسی مناسب سی جگہ مورچہ سنبھال لینا چاہتا تھا۔ کیونکہ اگر وہ خود لاہر آنکلتے تو بچاؤ بے حد مشکل ہو جاتا۔ وہ انہیں سڑک پر ہی روکے رکھنا چاہتا تھا۔

شاید وہ لوگ بھی خائف تھے کیونکہ انہوں نے جپ کی اوٹ ہی میں پوزیشن لے لی تھی اور ڈھلان کی طرف آنے کی ہمت نہیں کی تھی۔

اب فریدی ایک تنہا درخت کی اوٹ میں پہنچ کر اس مقام کو بخوبی دیکھ سکتا تھا جہاں سے فائرنگ ہو رہی تھی۔

جپ کے نیچے سے دوسری جانب ایک متحرک جسم نظر آیا اور فریدی کی مائی گن تھوڑی سی گولیاں اگل کر خاموش ہو گئی۔ سانے میں ایک وحشت ناک چیخ دور تک گونجنی چلی گئی اور پھر دوسری طرف بھی سنا چھا گیا۔

فریدی نے جہاں سے فائرنگ کی تھی اب وہاں نہیں تھا۔ تیزی سے جگہ تبدیل کی تھی۔ اس نے جپ میں دو آدمی دیکھے تھے ایک تو یقینی طور پر زخمی ہوا تھا یا مر گیا تھا لیکن دوسرا ایک بیک اس کی مائی گن سے کچھ گولیاں نکلیں اور جپ کے چاروں بازو بیکار ہو گئے۔ ساتھ ہی اُسے اپنی گاڑی کا بھی خیال آیا..... کہیں دوسرا آدمی اُسے نہ لے اڑے۔ کتنی بھی اگنیشن ہی میں رہ گئی تھی۔

وہ اپنی گاڑی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جاگتے ہوئے ذہن نے صحیح رہنمائی کی تھی۔ اگر ایک ہل کے لئے بھی چوک جاتا تو وہاں سے واپسی خود اس کے لئے مسئلہ بن جاتی۔

ایک آدمی سینے کے بل ریختا ہوا اس کی گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا اور مائی گن بھی اس کے ہاتھ میں تھی۔ وہ کچھ دور ریختے کے بعد سڑک پر اسی جانب دیکھنے لگتا جہاں سے فریدی نے فائرنگ کی تھی۔

فریدی نے ٹریگر پر دباؤ ڈالا اور ریختے والے سے تھوڑے ہی فاصلے پر گرداڑ کر رہ گئی۔  
”مائی گن دور پھینک دو..... ورنہ چھلنی کر دوں گا.....“ فریدی نے چیخ کر کہا۔  
ریختے والے کی مائی گن دوسرے لمحے میں دور جا کر اور وہ خود چاروں خانے چت لٹ گیا۔

## قتل یا خودکشی

اس کے دونوں ہاتھ لاہر اور پھیلے ہوئے تھے اور وہ پٹلیں جھپکائے بغیر آسمان کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

فریدی کی مائی گن کا رخ اس کے سینے کی طرف تھا۔

ٹھیک اسی وقت مخالف سمت سے فلائنگ اسکوئڈ کی تین کاریں آتی دکھائی دیں۔ ان میں سے اگلی گاڑی کا سارن چیتنے لگا تھا۔

فریدی نے بایاں ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا۔ تینوں گاڑیاں تھوڑے فاصلے پر ٹھن کے قریب رک گئیں۔ مسلح کانسٹیبل نیچے اتر آئے۔

سڑک پر پت پڑے ہوئے آدمی کے ہاتھوں میں جھنڈیاں ڈال کر وہ جپ کے قریب والے آدمی کی طرف متوجہ ہوئے۔

وہ بے ہوش تھا..... دونوں راتوں کی ہڈیاں چور چور ہو گئی تھیں۔

فلائنگ اسکوئڈ کے کمانڈر نے فریدی کو بتایا کہ تھریٹن اسٹریٹ والی کار کے قریب دو لاشیں ملی ہیں جن کے سینے چھلنی تھے۔ ان میں سے جو مرد تھا سڑک پر گر ا تھا..... اور



عورت آدمے دھڑے کار کی کھڑکی کے باہر لٹکی ہوئی تھی۔

بہر حال فریدی کا یہ خیال درست نکلا کہ وہ محض ان ہی دونوں کی وجہ سے بچ گیا تھا۔  
ورنہ حیاتِ ناتواں خود اسے چاہئے تھا۔

پھر جب کچھ دیر بعد بیڈ کوارٹر میں حملہ آور سے پوچھ گچھ شروع ہوئی تو پوری بات  
کھل کر سامنے آئی۔

اس نے بتایا کہ وہ ریٹائرڈ فوجی ہے۔ اس کام پر آمادہ کرنے والے نے اس کے لئے نامی  
مگن اور ایک جیب مع ڈرائیور مہیا کی تھی۔ ڈرائیور کو اس نے آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا  
تھا۔ اس سے کہا گیا تھا کہ ایک گاڑی فریدی کی کار کا راستہ اس طرح روکے گی کہ ہو سکتا  
ہے ایکسٹنٹ ہی ہو جائے۔ اس کے بعد اس کا کام ہو گا کہ وہ فریدی سمیت دوسری کار والوں کا  
بھی صفایا کر دے۔ لیکن وہ یہ نہ بتا سکا کہ اس نے فریدی سے پہلے ان ہی دونوں کو ختم کرنا کیوں  
مناسب سمجھا تھا۔ وہ اس کا جواب نہ دے سکا۔ اول تو اسے اس سلسلے میں کوئی واضح ہدایت نہیں  
ملی تھی کہ حملے کی پہل کس سے کرے دوسرے وہ خود فوری طور پر کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ  
اسے کیا کرنا چاہئے۔

پھر جب اس نے اس کام پر اُکسانے والے کا نام لیا تو کبھی متحیر رہ گئے۔ وہ ایک  
مشہور اور نیک نام ڈی۔ ایس۔ پی تھا۔ شہرت اس سلسلے میں رکھتا تھا کہ نہ صرف مجردی زندگی  
بسر کر رہا تھا بلکہ اپنی فقیرانہ زندگی کی بناء پر عوام میں مقبول بھی تھا۔ حاضرین کو اپنی سماعت پر  
یقین ہی نہ آ سکا۔ لیکن فریدی کے ہونٹوں پر ایک پراسرار سی مسکراہٹ دیکھی گئی۔

”تب کیا خیال ہے۔“ اس نے ایس۔ پی ہوی سائیڈ سے پوچھا۔

”سمجھ میں نہیں آتا۔۔۔۔۔ اس سلسلے میں میرا کیا صاحب کا نام۔۔۔۔۔“ وہ مضطربانہ انداز

میں ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

”یکہ تو پڑے گا۔۔۔۔۔“ فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

ایس۔ پی ہوی سائیڈ نے فون پر نمبر ڈائل کر کے کسی کو مخاطب کیا اور شاید جواب سن

کر کسی قدر متحیر بھی ہوا۔ ریسپورڈر کھ کر فریدی سے بولا۔ ”وہ اپنی سیٹ پر موجود نہیں ہیں۔“  
”مگر کے نمبر معلوم کیجئے۔“ فریدی نے کہا۔

مگر کے نمبر اس نے دوبارہ فون کر کے کسی سے معلوم کئے تھے۔ انہیں بھی آزمایا۔ لیکن  
جواب نہ ملا۔ دوسری طرف سختی بخاری تھی لیکن شاید ریسپورڈر اٹھانے والا کوئی نہ تھا۔  
”کیا خیال ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”میری دانست میں تو ہمیں خود ہی ان کے بچلے تک  
چلنا چاہئے۔“

”نک۔۔۔۔۔ کیا آپ کسی خاص نتیجے پر پہنچے ہیں۔“

”ہاں۔۔۔۔۔ آں۔۔۔۔۔ میرا خیال ہے کہ مسٹر بیراکی کا قتل ہمیں خود کشی ہی کی شکل  
میں ملے گا۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”ہمیں دیر نہ کرنی چاہئے۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

فلاننگ اسکوئیڈ کی گاڑیاں ایک بار پھر حرکت میں آگئیں۔

ڈی۔ ایس۔ پی جو اپنے نام کے ساتھ بیراکی بھی استعمال کرتا تھا صرف اسی نام سے  
مشہور تھا۔ رہائش ایک چھوٹے سے صاف ستھرے بنگلے میں تھی۔ بالکل تنہا رہتا تھا۔ حد یہ ہے  
کہ سرکاری اردلی تک نہیں رکھتا تھا۔ اردلی کو حکم تھا کہ اپنے گھر پر پڑا پیش کیا کرے اور تنخواہ  
سرکاری خزانے سے وصول کرے۔ اپنے سارے کام خود اپنے ہاتھوں انجام دیتا تھا۔  
بنگلے کا آمد و رفت والا دروازہ کھلا ہوا ملا۔ ایس۔ پی نے کال مل کا مٹن دبایا لیکن جواب  
نہ ملا۔ کچھ دیر انتظار کر کے وہ بلاخر بنگلے میں داخل ہو گئے۔

بنگلے تین کمروں پر مشتمل تھا۔ ڈرائنگ روم میں پہنچ کر ایس۔ پی نے اسے بلند آواز میں  
پکارا۔ لیکن بازگشت کے علاوہ اور کچھ نہ سن سکا۔

پھر بیڈ روم میں بیراکی کی لاش چھت سے لٹکی ہوئی نظر آئی۔ گلے میں رسی کا پھندا  
پڑا ہوا تھا اور رسی کا دوسرا سر اچھت کے کڑے سے بندھا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر تک وہاں قبرستان کا سناٹا عاری رہا۔ پھر ایس۔ پی فریدی کی طرف مزاجو فرش پر پڑے ہوئے سیلنگ فین کو بغور دیکھ رہا تھا۔

”کر قل.....!“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”یہ چشین کوئی تھی یا آپ کو پہلے سے علم تھا۔“

”بیراگی جیسے لوگ بظاہر خود کو بے داغ رکھنا چاہتے ہیں اور ایسے حالات میں انہیں یہی کرنا پڑتا ہے۔“

”لیکن یہ خود کشی..... آپ نے کہا تھا کہ قتل خود کشی کے روپ میں پیش کیا جاسکتا ہے۔“

”یہی ہوا ہے..... یقین کیجئے..... بیراگی کو گھانگھونٹ کر مارنے کے بعد اس طرح لٹکا دیا گیا ہے۔“

”لیکن..... لیکن.....؟“

”ادھر دیکھئے.....“ فریدی نے فرش پر پڑے ہوئے سیلنگ فین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”خود کشی کرنے والے آسان سے آسان طریقہ اختیار کرتے ہیں چھت سے سیلنگ

فین اتارنا اور اس کی جگہ کڑے میں رسی باندھنا..... وقت چاہتا ہے کپتان صاحب..... جسے زہر میسر آسکے..... وہ رسی کے پھندے سے اجتناب ہی کرے گا۔ ذہنی یا جسمانی

اوتھوں سے بچنے کے لئے ہی لوگ خود کشی کی طرف جاتے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں اس خواب گاہ میں خواب آور گولیوں کی کئی شیشیاں موجود ہیں، دو تو بالکل ہی نئی ہیں ان کی سیل

تک نہیں توڑی گئی۔ یہ دو شیشیاں خود کشی کے لئے کافی نہ ہوں۔“

”لیکن ضروری نہیں کہ اس تک قانون کا ہاتھ پہنچنے سے پہلے ہی خواب آور گولیاں کام کر جاتیں..... مضبوط اعصاب کے لوگوں پر یہ ذرا دیر سے اثر انداز ہوتی ہیں۔“ ایس۔ پی نے کہا۔

”اول تو مضبوط اعصاب کے لوگوں کو خواب آور گولیوں کی ضرورت پیش نہیں آتی۔“

دوسرے اگر وہ جلد سے جلد سرنا چاہتا ہے تو اس نے ڈرائنگ روم والی چھت کے کڑے کو کیوں نہیں استعمال کیا۔ ڈرائنگ روم میں چھت کے پچھلے کی بجائے پینڈنٹ فین استعمال ہوتا

تھا۔ کڑا بالکل خالی تھا..... یہاں دراصل قتل یا قاتلوں نے جلد بازی سے کام لیا ہے۔ جہاں اسے گھانگھونٹ مارا..... وہیں خود کشی کا منظر بھی ترتیب دے دیا۔ ہو سکتا ہے وہ جنگلے

میں پہلی بار آئے ہوں۔ بیراگی کو چھت سے پٹکا اتارنے سے قتل ڈرائنگ روم کا خالی کڑا ضرور یاد آتا..... اور وہ پٹکا اتار کر خود کشی کرنے کی حماقت کبھی نہ کرتا۔

ایس۔ پی کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ”آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ پھر اگر وہ قتل ہے تو اس کا مطلب ہوا کہ بیراگی بھی درمیانی آدمی ہے۔“

”صرف یہی نہیں بلکہ درمیانی آدمی کا خاتمہ اصل مجرم کو تارکی میں رکھنے کا باعث بھی بن سکتا ہے۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ پھر اس نے ایک بیک چوک کر کہا۔ ”وہ کار اور دونوں

لاشیں ان کے لئے آپ نے کیا کیا؟“

لاشیں ابھی تک شناخت نہیں ہو سکیں۔ گاڑی پر نصیر آباد کی نمبر پلیٹ ہے۔ نصیر آباد سے فون پر رابطہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس نمبر کی گاڑی وہاں سے پچھلی رات کو چوری

ہوئی تھی۔ میں نے گاڑی کے مالک کو یہاں طلب کیا ہے۔ پھر ایس۔ پی نے اپنے ساتھیوں سے مڑ کر کہا۔ ”یہاں کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔“

”اب مجھے اجازت دیجئے۔“ فریدی نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”مٹھریئے کر قل۔“ وہ مضطرب انداز میں بولا۔ ”مگر یہ قتل ہی ہے تو آپ خطرے میں ہیں۔“

”میں ہر وقت خطرے میں رہتا ہوں۔“ فریدی مسکرایا۔ ”اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔“



حمید نے ایک بار پھر فون پر فریدی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی اور وہ مل ہی گیا۔

”میں کئی بار کوشش کر چکا ہوں۔“ حید نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ”اوہ اچھا..... میں آپ کو ایک اطلاع دینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ کوٹھی کی نگرانی ہو رہی ہے جس وقت میں روانہ ہوا تھا ایک آدمی..... آپ کو معلوم ہے..... اور تو پھر مجھے یہ اطلاع کسی دوسرے سے ملی تھی..... ہائیں..... آپ کو کیسے معلوم ہوا اور تو کیا یہاں کوئی اور بھی موجود ہے۔ ارے نہ وہی لڑکی ہے..... کچھل رات والی..... وہ جس کے سکوتر پر..... کیا.....؟ جی نہیں..... وہ کہہ رہی ہے کہ میں تمہارے چیف کے لئے تمہارے پیچھے لگی ہوں۔ آپ کی آنکھوں کے متعلق کچھ کہہ رہی تھی۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا؟ کمال کرتے ہیں آپ بھی..... کیسے پیچھا چھڑاؤں۔ وہ اس وقت بھی سامنے کھڑی اپنے مخصوص انداز میں مسکرا رہی ہے..... کیا؟ لاشیں..... لاوہ..... لیکن وہ کیا کر سکے گی..... اگر وہ اس پر تیار نہ ہو تو..... اچھی بات ہے..... ٹھہریے پوچھتا ہوں۔“

حید ماؤتھ پیس کو ہتھیلی سے بند کر کے جولی وکڑی طرف مڑا۔

”میرا چیف کہتا ہے کہ وہاں دو لاشیں ملی ہیں..... اس کا خیال ہے کہ تم انہیں شناخت کر سکو گی۔“

”مم..... میں.....!“ وہ ہکلائی پھر ہنس کر بولی۔ ”تم مذاق کر رہے ہو۔“

”نہیں..... یہ حقیقت ہے۔ یہ چیف کا خیال ہے کہ وہ دونوں غالباً وہاں آتے جاتے

رہے ہوں گے جہاں سے لڑکی کا جنازہ اٹھا تھا۔“

”بھلا خواہ مخواہ خیال کیسے پیدا ہوا۔“

”مرد کی لاش کی شناخت مالک مکان مسٹر جیمز نے کی ہے۔ اس کے بیان کے مطابق وہ

لڑکی کے شوہر کی لاش ہو سکتی ہے۔ اب تمہیں عورت کی لاش کی شناخت کرنی ہے؟“

”دونوں لاشیں ساتھ ملی ہیں۔“ جولی نے پوچھا۔

”ہاں ایسا ہی ہوا ہے؟“

”لیکن میں اب شہر واپس نہیں جانا چاہتی۔“

”تمہیں بذریعہ سمن بھی لاش شناخت کے لئے طلب کیا جاسکتا ہے۔“

”کیا کسی دوسرے طریقے سے یہی کام نہیں لیا جاسکتا..... مثلاً جیمز.....!“

”جیمز نے عورت کی لاش سے لاشی کا اظہار کیا ہے۔“

”تو کوئی اور پڑوسی۔“

”میرے چیف کا خیال ہے کہ چونکہ تم اس کی نوہ میں رہتی تھیں اس لئے تم نے

خصوصیت سے وہاں آنے والی عورتوں پر نظر رکھی ہو گی۔“

”کیا بات ہوئی؟ بھلا عورتوں ہی پر خصوصیت سے کیوں نظر رکھی ہو گی۔“

”کیونکہ تم لڑکوں کی بجائے لڑکیوں سے محبت کرتی ہو۔ یہ بھی میرے چیف ہی کا خیال

ہے۔ ورنہ میں اتنا بھی ناامید نہیں تمہاری طرف سے۔“

”تم بھی اکو ہو..... اور تمہارا چیف بھی۔“ وہ کسی قدر جھینپ کر بولی۔

حید نے پہلی بار اسے جھینپے دیکھا تھا۔

”میرا چیف ہو سکتا ہے۔“ حید نے سر ہلا کر کہا۔ ”کیونکہ وہ کسی سے بھی محبت کرنے کی

ملاحت نہیں رکھتا۔“

”میں نہیں جاسکتی..... اور تم یہ کیا کہو اس کر رہے تھے کہ میں اس کے لئے تمہارے

پیچھے لگی تھی۔“

”تم نے کہا تھا..... یا یہ غلط ہے۔“

”میں تمہارے لئے تمہارے پیچھے لگی ہوں۔“ وہ اس کے چہرے کی طرف انگلی اٹھا کر

بولی۔ ”کیونکہ تمہاری شکل الہڑ لڑکیوں سی ہے۔“

حید نے ماؤتھ پیس سے ہاتھ ہٹا کر کہا۔ ”سنا آپ نے..... چونکہ میری شکل الہڑ

لڑکیوں کی سی ہے اس لئے وہ مجھے جھوڑ کر نہیں جاسکتی۔ خدا کی قسم..... کیا میں غلط کہہ رہا

ہوں۔ آپ کے بارے میں اس نے جو کچھ کہا قطعی غلط ہے..... کیا؟ کیوں؟ ارے باپ

رے؟ ہاں؟ ہاں؟ نہیں..... ہوں..... اچھی بات ہے۔“ وہ ریسور رکھ کر مڑا اور تھوڑی

”ڈیوٹی..... ڈیوٹی ہے..... یہاں ہمارا ایک آدمی موجود ہے..... وہ تمہیں لے جائے گا۔“

کچھ دیر بعد وہ اس پر رضامند ہو گئی۔ لیکن حید اس سے یہ نہ معلوم کر سکا کہ وہ واپسی پر کیوں بضد ہے۔ چلتے چلتے کہہ گئی ”میں تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گی۔“

سارجنٹ ریش یہاں حید کی دیکھ بھال کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ وہی جولی کو اسی کے سکوٹر پر شہر لے گیا۔

حید سوچتا رہا آخر کیا چکر ہے۔ کہانی ایک بے سر کی لاش سے شروع ہوئی تھی پھر وہ اس مکان تک پہنچے تھے جہاں سے جنازہ اٹھا تھا۔ پھر ایک سال کے مردے مسٹر بھٹی کے زبہ ہونے کی اطلاع ملی تھی۔ پھر چلا تھا راتھور کا چکر..... اور اب یہ نیا حادثہ۔ ان دو مردوں والوں میں ایک لاش اس لڑکی کے شوہر کی حیثیت سے شناخت کی گئی تھی اور اب عورت۔ لاش کی شناخت کے لئے فریدی نے جولی کو طلب کیا تھا۔

جولی کے چلے جانے کے بعد تنہائی بُری طرح کھل رہی تھی۔ وہ سوچنے لگا کیا وہ پھر واپس آئے گی۔ یہ لڑکی ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔ کیا وہ بھی مجرموں کے گردہ ہی سے تعلق رکھتی ہے۔

نوبے رات کو اُسے اطلاع ملی کہ جولی صرف مرد کی لاش شناخت کر سکی ہے۔ اس سلسلے میں اس نے مالک مکان کی تائید کی ہے۔ عورت کو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ اطلاع ریش نے دی تھی جو تنہا واپس آیا تھا۔ جولی وکٹر کے بارے میں وہ کچھ نہ بتا سکا۔

## سنہری بوچھاڑ

ڈی۔ آئی۔ جی نے فریدی کو طلب تو کیا تھا لیکن اب خاموش بیٹھا اسے اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے گفتگو کے لئے نقطہ آغاز کی تلاش ہو۔ بالآخر کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ”کیا تم مجھ سے

دیر تک اسے غور سے دیکھتے رہنے کے بعد بولا۔ ”اب مجھ سے بچ کر کہاں جاؤ گی۔“

ساتھ ہی پتلون کی جیب سے اعشاریہ دو پانچ کا پستول بھی نکل آیا۔ پستول کا رخ جولی کی طرف تھا اور حید کہہ رہا تھا۔ ”تم لوگ سمجھتے ہو کہ ہم اتنی آسانی سے مار لئے جائیں گے..... جھکڑیاں لگا کر یہاں سے شہر لے جاؤں گا۔“

”ہلک..... کیا مطلب.....!“ جولی اس کی سنجیدگی پر بوکھلا گئی۔

”بیٹھ جاؤ.....!“ حید نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

”نہیں.....!“ وہ ہنس پڑی۔ ”تم مذاق کر رہے ہو۔“

”میں تمہیں گولی مار دینے کی حد تک سنجیدہ ہوں۔“

”کیا یہ پاگل پن نہیں ہے۔“

”وہ آدمی ہماری کوٹھی کی مگرانی کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک تم تھیں۔ تم میرے

بیچھے آئیں اور اُدھر جب میرا چیف باہر آیا تو اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔“

”نہیں.....؟“ وہ بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔

”میں غلط نہیں کہہ رہا۔ اس پر ٹائی گن سے حملہ ہوا تھا۔ جس کار نے رستہ بلا کر کیا تھا

اس پر ایک عورت اور ایک مرد بیٹھے تھے۔ دونوں ڈنکار ہو گئے چیف اپنی پھرتی کی وجہ سے بچ گیا۔“

”زخمی بھی نہیں ہوا؟“

”نہیں.....!“

جولی نے طویل سانس لی اور مسکراتی ہوئی بیٹھ گئی۔ پھر دفعتاً بولی۔ ”اور وہ مرد اس لڑکی

کے شوہر کی حیثیت سے شناخت کیا جا چکا ہے۔“

”ہاں..... مالک مکان نے اس کی لاش شناخت کی ہے۔“

”میں ضرور چلوں گی..... لیکن وعدہ کر دو کہ مجھے اپنے ساتھ واپس لاؤ گے۔“

”میں تو یہاں سے بل بھی نہیں سکتا۔“

”کیوں.....؟“

کل کر گفتگو کرنا پسند کر دے۔“

”یہ آپ کیا فرما رہے ہیں..... کل کر گفتگو نہ کرنے کی جسارت کیسے کر سکتا ہوں۔“  
 ”تم کسی بھی کیس کے سلسلے میں اس وقت تک کل کر گفتگو نہیں کرتے جب تک کہ حالات کو پوری طرح اپنی گرفت میں نہ لے لو۔“

”مکثر میں نے اپنے لوہام تک گوش گزار کر دیئے ہیں۔“

”اس میں بھی کوئی مصلحت رہی ہوگی۔“ ڈی۔آئی۔جی مسکرایا۔

”ایک گزارش میری بھی ہے۔“

”کہو.....“

”حمید کو آپ نے براہ راست کیوں طلب فرمایا تھا۔“

”اوہ..... وہ ایک ذاتی مسئلہ تھا۔“

”کیا اس کے خلاف کوئی اہم رپورٹ ملی ہے۔“

”نہیں بھئی..... دراصل ایک رشتے کے سلسلے میں اس کے ایک خاندان کے متعلق

معلومات حاصل کرنی ہیں۔ وہ ان لوگوں کو قریب سے جانتا ہے۔“

”اوہ.....!“

”کیا وہ ابھی واپس نہیں آیا۔“

”جی نہیں..... میرا خیال ہے کہ جی۔سی۔ایچ سوسائٹی والے کیس کی کوئی کڑی ہاتھ

آگئی ہے اور وہ مجھ سے مشورہ لئے بغیر الجھ گیا ہے۔“

”میں اس وقت دراصل اسی کیس کے متعلق گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“

”فرمائیے۔“

”آخر اس لاش کو اس طرح منظر عام لانے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے جس طرح انہوں نے

اس کے سر اور ہاتھ پیر عائب کر دیئے تھے اسی طرح لاش کے ٹکڑے کر کے اسے باسانی

عمارت سے ہٹا سکتے تھے پھر خود بھی عائب ہو جاتے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔“

”اس کیس میں سب سے زیادہ دلچسپ پوائنٹ یہی ہے۔“

”تم کس نتیجے پر پہنچے ہو۔“

”یقین فرمائیے..... یہی سواہل میرے ذہن میں بھی موجود ہے۔ لیکن ابھی تک اس کا

کوئی معقول جواب نہیں مل سکا۔“

”پھر تم ٹھیک اسی عمارت میں جا پہنچے ہو..... جہاں سے جنازہ اٹھایا گیا تھا اور دوسرے

دن تم پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے۔ تم بچ جاتے ہو لیکن وہ دونوں مارے جاتے ہیں جنہوں نے

تمہارا راستہ روکا تھا اور ان میں سے ایک جی۔سی۔ایچ سوسائٹی والی مقتولہ کا مہینہ شوہر ثابت

ہوتا ہے۔“

وہ خاموش ہو کر کچھ دیر تک فریدی کے چہرے پر نظر جمائے رہا پھر بولا۔ ”تم حملہ

آوروں کا مقابلہ کر کے ایک کو زخمی کر دیتے ہو اور دوسرا تمہارے ہی ہاتھوں گرفتار ہو جاتا

ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ کسی نے تم پر حملہ کرایا تھا۔ تم اس آدمی کے لئے بھی فوری طور پر پیشین

گوئی کر دیتے ہو کہ اب تک وہ بھی قتل کیا جا چکا ہو گا اور اس قتل کو خود کشی کا رنگ دینے کی

کوشش بھی کی گئی ہوگی۔ اس طرح پولیس کی رسائی ڈی۔ایس۔پی بیرامی کی لاش تک ہوتی

ہے۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ تمہاری پیشین گوئی سے مختلف کہانی نہیں سنائی۔ یہ سب کیا

ہے.....؟ مجھے بتاؤ۔“

”میں کیا عرض کروں..... بعض اوقات قیاس بھی حقیقت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

جو لوگ اس قسم کی سازشیں کرتے ہیں انہیں جلی جلی خبر رہتی ہے۔ اسی اندازے کی بناء پر

میں نے بیرامی کے قتل کی پیشین گوئی کی تھی۔“

”بہر حال تم نے بیرامی کو درمیانی آدمی سمجھ کر ہی پیشین گوئی کی ہوگی۔“

”جی ہاں..... میں جانتا تھا کہ بیرامی کو مجھ سے کوئی ذاتی پر خاش نہیں ہو سکتی۔“

”پھر وہ کون ہو سکتا ہے..... جس کیلئے وہ اس حد تک جانے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔“

”یہی تو دیکھنا ہے.....“ فریدی نے جواب دیا۔



”اوہ..... سمجھ گیا.....؟ تم وزارت امور خارجہ کے سیکریٹری کی درخواست پر بھیجے گئے تھے۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ ذی۔ آئی۔ جی کے چہرے پر کسی قدر جھنجھلاہٹ اور شرمندگی کے طے جلے آواز تھے۔



حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔ تو ذی۔ آئی۔ جی کے یہاں براہ راست طلبی کا راضور والے واقعات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

یہ بات اُسے فون پر فریدی نے بتائی تھی۔ لیکن واپسی کے لئے کچھ نہیں کہا تھا۔ تو پھر اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ ویسے مارجام کا ہوٹل روڈ انوائسٹی ہی جگہ تھی کہ جب تک سہولت ہو وہاں قیام کیا ہی جائے۔

پڑھی لکھی خوبصورت لڑکیاں سر د کرتی تھیں۔ رات کے کھانے کے اوقات میں فلوور شو ہوتا تھا۔ کسرے دز کے لئے الگ انتظام تھا۔ اگر کوئی میز پر تنہائی محسوس کرتا تو اس کے لئے ساتھی کا انتظام بھی بطریق احسن ہو جاتا تھا۔

کچھ بھی ہو۔ اس نے سوچا اب یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ فریدی کی زندگی فطرے میں تھی۔ اسے راضور یا آیا۔ کیا یہ حرکت اسی کی ہو سکتی ہے..... خون کھولے لگا اپنی بے بسی یاد کر کے۔

کاؤنٹر پر حساب بے باق کر کے وہ سوٹ کیس سنبھالے ہوئے باہر آیا۔ کیراج سے کار نکالی اور شہر کی طرف چل پڑا۔ لیکن گھر جانے کا ارادہ نہیں تھا۔

شہر میں داخل ہونے سے پہلے وہ اپنے ریڈی میڈ میک اپ میں آٹھیا۔ یعنی وہی وہنوں اسپرنگ اپنی ناک کے نتھنوں میں رکھ لئے جن کے کھچاؤ سے ناک کی نوک کے ساتھ بالائی ہونٹ بھی کسی قدر اوپر اٹھ جاتا تھا اور سامنے کے دو دانت مستقل طور پر دکھائی دینے

”میں تمہارے اس جواب سے مطمئن نہیں ہوں۔“ ذی۔ آئی۔ جی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

فریدی نے طویل سانس لے کر کہا۔ ”میں آپ کو بتاؤں بھی تو کیا..... خیر سنئے..... آپ وزارت امور خارجہ کا بھی یاد ہی ہو گا۔“

”وہ جس کی موت کی تفتیش کے سلسلے میں تم سوسٹری لینڈ گئے تھے۔“

”جی ہاں..... وہی.....!“ فریدی نے کسی قدر اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ ”اُس کے جنازے کے سلسلے میں چھان بین کرتے وقت ایک حیرت انگیز چیز سامنے آئی۔ وہ تھی مسز بھی کی عدم آبادی سے واپسی؟“

”کیا مطلب.....؟“ ذی۔ آئی۔ جی چونک کر بولا۔

فریدی نے اسے اس کے بارے میں تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔ ”بھئی کی موت کی خبر چھپائی گئی تھی..... آج بھی بہت کم لوگ اس سے واقف ہیں۔“

”لیکن یہ تو سوچو کہ اس کا مقصد کیا ہو سکا ہے۔“ ذی۔ آئی۔ جی نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

”کیا آپ کو علم ہے کہ بھئی کی موت کی خبر عام کیوں نہیں ہوئی تھی۔“

”غائب کوئی بین الاقوامی پکر تھا۔“

”میں آج آپ کو بتا رہا ہوں کہ یہ ایسی کوئی بات نہیں تھی..... یہ چیز انہیں باور کرائی گئی تھی جو بھئی کی موت سے واقف تھے۔ ان سے کہا گیا تھا کہ وہ اس کی موت کا تذکرہ کما سے نہ کریں۔ کیونکہ اس سے بعض بین الاقوامی پیچیدگیاں ہو سکتی ہیں۔“

”پھر کیا بات تھی.....؟“ ذی۔ آئی۔ جی مضطربانہ انداز میں آگے جھک گیا۔

”بات..... میرا خیال ہے کہ ابھی میں اس سلسلے میں کچھ نہ بتا سکوں گا۔“

”کیوں.....!“

”ایک بہت بڑے آفیسر کا نجی معاملہ ہے۔“

لگتے تھے۔

پھر تاریک شیشوں کی عینک کا اضافہ تو گویا اس میک اپ کا فنشنگ ٹچ تھا۔ اب کون تھا جو حید کو قریب سے بھی پہچان لیتا۔

”یہ سب کچھ ہوا۔ لیکن وہ ابھی تک فعل نہ کر سکا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ شہر پہنچ کر ہی اس نے سوچا کہ اسے نیا گرا کی طرف جانا چاہئے۔ جہاں دوسری منزل کے کمرہ نمبر ۳۶ میں وہ اسی نام سے قیام کر سکے گا جو سپروائزر نے اس کے لئے منتخب کیا تھا۔

اس نے ایک پبلک فون بوتھ کے قریب گاڑی روکی اور ہٹر کر بوتھ میں آیا۔ فون پر نیا گرا سے رابطہ قائم کر کے پروفیسر شرما سے وہ نام دریافت کیا جس کے لئے کمرہ بک کیا تھا۔

”شاہد پرویز.....!“ وہ سلسلہ منقطع کرتا ہوا بڑبڑایا۔ ”نام تو اچھا خاصا ہے مگر فی الحال صورت ایسی نہیں ہے۔“

اس میک اپ کے بعد وہ آئینہ دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا۔

تو اب وہ شاہد پرویز تھا اور یہ تو اس نے نیا گرا کے اس کمرے میں پہنچنے کے بعد ہی سوچا تھا کہ آخر اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔ سیدھا گھر چلا جاتا۔ لیکن چھٹی حس کو کیا کرنا جو کسی طرح بھی گھر کی جانب رغبت نہیں ہونے دیتی تھی۔

اس نے سوچا آخر وہ گھر کیوں نہیں جانا چاہتا۔ گھر کے بارے میں سوچتے ہوئے جولی دکنز پھر یاد آئی اور وہ سوچنے لگا کیوں نہ اسے فون کیا جائے اس کے گھر کے فون نمبر وہ بھولا نہیں تھا۔

ہوٹل کے ایجنٹ سے رابطہ قائم کر کے نمبر بتایا۔ یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ دوسری طرف سے جولی کی آواز سنائی دی۔ ”ہیلو..... کون ہے؟“

”پہچانو.....!“ حید احتیاطاً انداز میں مسکرایا۔ تاکہ اسے اس پر ہنگ نکال لیے تھے اس لئے مسکرانے میں کوئی خاص دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

”اوہ..... تم ہو..... کہاں سے بول رہے ہو۔“

”نیا کمرہ کے کمرہ نمبر ۳۶..... دوسری منزل شاہد پرویز نام ہے۔“

”میں آ رہی ہوں..... کہیں جانا مت.....“ آواز آئی اور فوراً ہی سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔

حید ریسور کرڈیل میں رکھتے وقت سوچ رہا تھا کہ اس لڑکی سے ایک کیس کی تفتیش کے دوران ملاقات ہوئی تھی۔ وہ خود ہی مل بیٹھی تھی۔ کیا یہ ضروری ہے کہ اس کا بھی ان واقعات سے کوئی تعلق ہو۔

”بالکل نہیں.....!“ وہ دل کو سمجھانے لگا۔ وہ ایک کلنڈر سی لڑکی ہے۔ ایسی لڑکیاں اس کی جھڑ نہیں رہتیں کہ کوئی کسی سے ان کا تعاقب کرے۔ وہ خود ہی مل بیٹھتی ہیں۔ ہو سکتا ہے ہم دونوں میں سے کوئی اس کیلئے اتنا ہی پرکشش ثابت ہوا ہو کہ بے اختیار کھینچی چلی آئے۔ وہ کمرے میں نہلتا اور تمباکو پھونکتا رہا۔ آدھے گھنٹے میں کئی بار پاپ بھرا گیا تھا۔ ٹھیک آدھے گھنٹے کے بعد کسی نے دروازے پر دستک دی۔

حید نے جھپٹ کر دروازہ کھول دیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحوں میں بوکھلا کر پیچھے ہٹ جاتا۔ دروازے میں کھڑے ہوئے آدمی کے ہاتھ میں ریولور تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کا رخ بھی حید ہی کی طرف رہا ہو گا۔ حید نے جسم کا دروازہ آدمی تھا۔ عمر تیس اور چالیس کے درمیان رہی ہو گی۔ چہرے کی رنگت سے ظاہر ہوتا تھا کہ کشیدنی خشیات کا عادی ہے۔

”پیچھے ہٹو.....!“ وہ غریبا۔

حید اپنے ہاتھ اٹھائے ہوئے پیچھے ہٹا چلا گیا۔ ساتھ ہی وہ اندر آ گیا تھا۔ اس نے حید ہی کی طرف رخ کیے ہوئے لات مار کر دروازہ بند کیا اور ریولور والے ہاتھ کو دھتیارہ انداز میں جنبش دے کر بولا۔ ”میں تمہیں جانتا ہوں..... تم محکمہ سرانج زسانی کے ایک آفیسر ہو۔ لیکن میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“

”خواہ مخواہ.....!“ حید سر جھٹک کر بولا۔

”خواہ مخواہ نہیں..... میں نے آج تک بلاوجہ قتل نہیں کیا۔“

حمید نے محسوس کیا کہ کیسپر ڈھیلا پڑتا جا رہا ہے۔ اس نے اسے دوسری طرف اچھال پھینکا اور خود تیزی سے اٹھ بیٹھا۔ کیسپر نے بھی اٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ لیکن جولی ان کے درمیان آتی ہوئی دھاڑی۔ ”یہ کیا ہو رہا ہے..... تم یہاں کیوں آئے ہو؟“ وہ کچھ نہ بولا۔ سر جھکانے کھڑا رہا۔

”تم میری..... نوہ میں رہتے ہو..... کیوں؟“ وہ اس کا شانہ بھینچوڑ کر بولی۔

اس نے سراٹھا کر اس کے چہرے پر نظر ڈالی اور پھر پلکیں جھپکائیں۔

”خاموش کیوں ہو..... بولو“ اس نے اسے پھر بھینچوڑا۔

”مم..... میں..... نوہ..... میں..... نن..... نہیں تھا۔“ وہ ہکھلایا۔ ”کسی نے

مجھے فون پر اطلاع دی تھی کہ تم اس کے ساتھ ہو۔“

”کس نے اطلاع دی تھی۔“

”مم..... میں نہیں جانتا..... اس نے نام نہیں بتایا تھا۔“

”میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم اتنے کہینے ہو۔ کیا میں اس سے شادی کرنے جا رہی

ہوں۔ جاؤ..... نکلو یہاں سے..... چلے جاؤ..... اب کبھی اس سے الجھنے کی کوشش نہ کرنا۔“

وہ سر جھکانے ہوئے دروازے کی طرف مڑ گیا۔ حمید نے اسے باہر نکلتے ہوئے دیکھا اور

اس حیرت انگیز تبدیلی کے متعلق سوچا رہا۔

جولی وکڑنے دروازہ بند کر کے بولٹ کر دیا اور حمید کی طرف مڑ کر بولی۔ ”مجھے افسوس

ہے..... یہ کیسپر تھا..... مجھے شدت سے چاہتا ہے۔ میرا کزن بھی ہے۔ ڈینڈی اسے پسند نہیں

کرتے۔ یہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ خطرناک قسم کا غنڈہ ہے۔ کثرت سے چرس پیتا ہے۔

خیر یہ تو کوئی ایسی بات نہیں۔ میں اس سے شادی کر لیتی..... لیکن تم نے ابھی دیکھا ہے۔“

”کیا دیکھا ہے.....“ حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

”دم دبا کر بھاگ گیا۔“

”پھر کیا کرنا.....؟“

”میرے قتل کر دینے کی وجہ بھی جلد ہی بیان کر دو۔ کیونکہ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ ابھی ایک لڑکی یہاں آ رہی ہوگی۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ یہاں میری لاش دیکھے۔ اگر تم نے کوئی معقول وجہ بیان کر دی تو رہم یہاں سے کہیں اور چلے چلیں گے اور پھر تم مجھے قتل کر دینا۔“

”بلف کر رہے ہو۔“ وہ آنکھیں نکال کر بولا۔ ”یہاں کوئی نہیں آئے گا۔“

”ارے یار تم وجہ بیان کرو..... شاید میں تمہاری غلط فہمی رفع کر سکوں۔ اس سے پہلے

بھی کئی حضرات محض غلط فہمی کی وجہ سے چڑھ دوڑے ہیں اور پھر انہیں شرمندہ ہونا پڑا ہے۔“

”کیا آج کل تم جولی وکڑ کے ساتھ نہیں دیکھے جاتے۔“

”میرا خیال ہے کہ تم اس کے والد نہیں ہو۔“ حمید نے ترش روئی سے کہا۔

”تو تمہیں اعتراف ہے.....“ وہ دانت پیس کر بولا۔

”ارے مجھے ڈر ہے کسی کا..... وہ خود ہی تو ملی تھی مجھ سے۔ میں نے کوشش نہیں کی

تھی کہ وہ میری طرف متوجہ ہو..... اور پھر تم ہو کون۔“

جواب میں وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کسی نے دروازے کو دھکا دیا۔ بس پھر وہ دروازے کی

طرف متوجہ ہوا ہی تھا کہ حمید نے نہ صرف اس کے ریوالبور پر ہاتھ ڈال دیا بلکہ بائیں کچھٹی پر

اس زور کا کہ رسید کیا کہ وہ لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

اب ریوالبور حمید کی گرفت میں تھا..... اور جولی وکڑ دروازے میں کھڑی متحیرانہ انداز

میں پلکیں جھپکارتی تھی۔

دفعتاً جینی نے اس بات کی پرواہ کئے بغیر کہ خود نہتا ہو چکا ہے حمید پر پھلانگ لگائی۔ حمید

یہاں گولی نہیں چلاتا چاہتا تھا..... اور پھر بجلی کی طرح یہ خیال ذہن کے تاریک گوشوں سے

اُبھر کر ریوالبور خالی معلوم ہوتا ہے۔

اب دونوں فرش پر آ رہے تھے۔ اپنا یک جولی وکڑ جیتی۔ ”کیسپر..... کیسپر.....“

کیا ہو رہا ہے..... الگ ہو..... ہٹ جاؤ..... ہٹو۔“

”ایک بھر پورا تھ میرے منہ پر رسید کرتا اور بال پکڑ کر گھسیتا ہوا یہاں سے لے جاتا۔  
مجھے عاشق نہیں چاہئے..... مسز کینٹن..... میں مرد چاہتی ہوں۔“

”مرد ہی خطرناک غنڈے ہوتے ہیں۔“

”نہیں..... مرد وہ ہے جو اپنی توہین کی طرح بھی برداشت نہ کر سکے..... اس معاملے میں عورت، مرد، بیوی یا محبوبہ کی تخصیص نہ کرے..... کیا سمجھے۔“

”تو پھر یہاں کیوں آئی ہو۔“

”تمہاری زندگی تھی اس لئے قدرت کی طرف سے انتظام ہو گیا۔“

”اوہ..... کیا مجھے اتنا گلیا گذرا سمجھتی ہو۔“

”کیا اس نے تمہیں ریوالبور سے کور نہیں کر رکھا تھا..... اگر میں نہ آجاتی تو تمہیں

اس پر حملہ کرنے کا موقع ہی نہ ملتا۔“

”مے کس نے مطلع کیا ہو گا۔“

”ہو گا کوئی.....!“ جولی نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

”لیکن مجھے تو دیکھنا ہی پڑے گا کہ کون ہے۔“

”کیوں.....؟“

”غالباً وہ گیسپر کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کس قسم کی خبریں

اسے فوری طور پر اتنا مشتعل کر دیں گی کہ وہ قتل تک کر گذرے۔ ابھی کل ہی میرے چیف پر

بھی قاتلانہ حملہ ہو چکا ہے۔“

”ہاں اس نقطہ نظر سے تو سوچنا پڑے گا۔“ جولی نے کہا اور اس کی آنکھوں سے گہرا تفکر

متراش ہونے لگا۔

”پلو ختم کرو..... تم اپنے ہی متعلق مجھے کچھ بتاؤ۔“

”اپنے بارے میں کیا بتاؤں۔“

”میرے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو۔“

”اوہ..... تو کیا میں تمہیں اچھی نہیں لگتی۔“

”ادھر دیکھو..... تمہارے علاوہ اور کسی کو یہ نہیں معلوم کہ میں یہاں شاہد پرویز کے

نام سے مقیم ہوں۔“

”ہوں..... کبھی۔“ وہ سر ہلا کر بولی۔ ”لیکن یہ تو سوچو ڈیر کینٹن کہ مجھے اس سے کیا

فائدہ کہ میں خود ہی تم پر حملہ کراؤں اور پھر خود ہی بچانے بھی دوڑی آؤں۔“

”قطعی فائدہ ہے۔“ حید نے سنجیدگی سے کہا۔ ”تم انہی کھوپڑی رکھتی ہو۔ الٹر فلیس

میں تم نے دیکھا ہو گا کہ ہیروئن غنڈوں میں گھری ہوئی ہے کہ اچانک کسی طرف سے ہیرو

نمودار ہو کر نوٹ پڑتا ہے ان پر۔ پھر تو ہیروئن کو اس سے محبت کرنی ہی پڑتی ہے۔“

”تو میں نے جناب کا دل جیتنے کے لئے یہ حرکت کی ہو گی۔“ وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

”کبھی آئینے میں بھی دیکھی ہے لومڑی جیسی شکل۔“

”تو پھر بکوجلدی سے کیا بات تھی..... میرے پاس وقت نہیں ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ میں..... ان لوگوں کے گرد بہے تعلق رکھتی ہوں جو تمہیں یا

تمہارے چیف کو قتل کر دینا چاہتے ہیں۔“

حید کچھ نہ بولا۔ وہ اسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے کسی ہوئی بات کا وزن معلوم

کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

دفعتاً جولی نے جھپٹ کر گیسپر کا ریوالبور اٹھایا جو اس ہنگامے کے دوران حید کے ہاتھ

سے نکل کر ایک گوشے میں جا کر اٹھا۔

”اب بتاؤ.....“ وہ اس کا رخ حید کی جانب کرتی ہوئی بولی۔

”ریوالبور خالی ہے.....!“ حید مسکرایا۔

”تمہارا خیال غلط ہے..... یہ دیکھو.....!“

بے آواز ریوالبور کی گولی نے میز پر رکھے ہوئے بلوری الش نرے کے ہزاروں ٹکڑے

کر دیئے۔

حمید خاموش ہو گیا۔ جولی مسکرا کر بولی۔ ”تم سمجھتے تھے شاید کیسیر نے ریوالمور کی پرولونہ کر کے تم پر اس لئے چھانگ لگائی تھی کہ وہ خالی تھا۔۔۔۔۔ شش۔۔۔۔۔ وہ ایسا ہی بے جگر ہے۔۔۔۔۔ جب اس پر خون سوار ہوتا ہے تو مصل اس سے دور بھاگتی ہے۔۔۔۔۔ یہ لو۔“

اس نے ریوالمور حمید کی طرف اچھال دیا۔



فریدی بہت غور سے اس کی کہانی سن رہا تھا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ ”پھر کیا ہوا۔“

”ریوالمور میری طرف اچھال کر غصے میں بھری ہوئی کمرے سے نکل گئی تھی۔“ حمید نے طویل سانس لے کر کہا۔ ”میں جہاں تھا وہیں رہا۔۔۔۔۔ پھر بڑی دیر بعد اپنے اعصاب پر قابو پاسکا تھا۔ وہ جا چکی تھی۔۔۔۔۔ میں نے نیا گرا کی پوری عمارت چھان ماری۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیسیر کو فون پر اطلاع کس نے دی تھی۔“

”ظاہر ہے کہ وہ یا تو سپردانزر ہو سکتا ہے یا پھر وہ لوگ جو تمہیں اس رات نیا گرا میں جھوڑ گئے تھے۔“

”راٹھور۔۔۔۔۔!“ حمید نے نمہ اسانہ بنا کر کہا۔

”کوئی بھی ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔ لیکن وہ جولی اور کیسیر سے اچھی طرح واقف ہے۔“

”آپ کیا کر رہے ہیں۔“

”مفتقریب ایک بڑا کھیل دیکھو گے۔“ فریدی مسکریا۔

”کیا یہ کوئی ایسا ہی اہم معاملہ ہو سکتا ہے کہ ہم دونوں کو ختم کر دینے کی ضرورت

محسوس کی جائے۔“

”کیوں نہیں۔۔۔۔۔ خود سوچو۔۔۔۔۔ میں نے بھنی کی لاش نہیں دیکھی تھی اسے وہیں دفن کر دیا گیا تھا اور میں تدفین کے بعد سوئزر لینڈ پہنچا تھا۔ بہر حال اب وہی بھنی یہاں زندہ

دیکھا جا رہا ہے اور ایک صاحب ایسے بھی ہیں جو تم پر کوئی نشلی دوا استعمال کر کے تم سے دن بھر کی رپورٹ حاصل کر لیتے ہیں۔“

”اور یہ کہانی اس بے سروپا لاش سے شروع ہوئی تھی۔“ حمید نے کہا۔

”ہاں۔۔۔۔۔ آں۔۔۔۔۔ اسی کے توسط سے تو بھنی زندہ ہوا ہے۔“

”کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ بھنی کے سلسلے میں آپ نے سوئزر لینڈ میں کیا کیا تھا۔“

”صبر کی علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا۔“

”آپ کو وہاں بھیجنے کا مقصد کیا تھا۔“

فریدی جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی کھنٹی بجی۔ ریسیور اٹھا کر وہ کچھ کہنے ہی

والا تھا اور پھر ”ٹھیک ہے“ کہہ کر ریسیور رکھ دیا تھا۔

”مقصد۔۔۔۔۔!“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”تم مجھ سے یہ کیوں نہیں پوچھتے

کہ جولی وکٹر تمہارے پیچھے کیوں پڑ گئی ہے۔“

”بھلا یہ میں آپ سے کیوں پوچھنے لگا۔“

”یہ بھی معقول بات ہے۔“ فریدی نے لا پروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

حمید تھوڑی دیر تک خاموشی سے پائپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا پھر بولا۔

”تو بھنی۔۔۔۔۔ راٹھور کے ہٹ میں مرا تھا۔“

”ہاں۔۔۔۔۔ اُسے الیکٹرک شٹ لگا تھا۔ راٹھور کا بیان ہے کہ وہ اس وقت اپنے ہٹ

میں موجود نہیں تھا۔ بھنی بحیثیت مہمان وہاں مقیم تھا۔“

”کسی سرکاری کام سے وہاں گیا تھا۔“

”نہیں وہ چھٹی پر تھا۔“

”پھر آپ کے پیچھے جانے کی وجہ سمجھ نہیں آتی۔“

فون کی کھنٹی پھر بجی اور فریدی اُسے جواب دینے کی بجائے فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اس بار بھی اس نے پہلے ہی کی طرح خاموشی سے کال ریسیور کی اور سلسلہ منقطع کرنے سے



پہلے صرف اتنا ہی کہا کہ ”اے جلد از جلد حالات سے مطلع کیا جائے۔“

حمید کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی اور سوالات کا ایک ریلہ تھا جو ذہن کے تاریک گوشوں سے ابھر کر شعور میں اچھل پھلے ہوئے تھا۔

دفعتاً اس نے فریدی کو عجیب نظروں سے گھورا شروع کیا۔

”خیریت.....!“ فریدی مسکرایا۔

”وہ لڑکی.....!“ حمید انگلی اٹھا کر بولا۔ ”اس لڑکی کے بارے میں تو پوچھ کر ہی رہوں

گا جسے آپ راضیوں کے ہٹ سے اٹھالے گئے تھے۔ م..... میرا مطلب ہے کلک کیوں

اٹھالے گئے تھے۔ لفظ اٹھالے جانا ہی میرے لئے بے حد ہیجان انگیز ہے..... اس لئے

م..... میری ہکلاہٹ کو معاف..... فف..... فرمائیے گا۔“

”وہ بھئی کی محبوبہ تھی۔“

”اوہ..... تو مردے کا مال سمجھ کر اٹھا کر لے گئے تھے۔ استغفر اللہ۔“

فریدی مسکراتا رہا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ”وہ بھی حادثہ کے وقت ہٹ میں موجود

نہیں تھی۔“

”تو اس سے پوچھ گچھ کرنے کے لئے اٹھالے گئے ہوں گے۔“

”لفظ اٹھالے جانا بچ تمہارے لئے کافی لذت انگیز ثابت ہو رہا ہے۔“ فریدی خشک

لہجے میں بولا اور کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک تصویر نکال کر حمید کے سامنے ڈال دی۔

”کیا یہی تھی۔“ حمید نے بے ساختہ پوچھا۔ فریدی نے اثبات میں سر کو جنبش دی اور

کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ حمید تصویر کا جائزہ لیتا رہا۔ وہ نازک خند و خال والی ایک صحت مند

لڑکی تھی۔

”جولی وکٹر اور اس کے پڑوسی تصویر کو شناخت کر چکے ہیں۔“ فریدی کھڑکی سے نظر

ہٹائے بغیر بولا۔

”اوہ.....!“ حمید اچھل پڑا۔ ”تو وہ بے سروپالاش اس کی تھی۔“

”قطعی طور پر یہی کہا جاسکتا ہے۔“

”لیکن..... لیکن..... آپ کو اچانک اسی کا خیال کیسے آیا۔“

”اس مکان میں جہاں سے جنازہ اٹھا تھا..... انگلیوں کے نشانات کی تلاش کی مہم کے

دوران میں اس کی انگلیوں کے نشانات بھی ملے تھے۔“

”تو کیا تصویر ہی کے ساتھ اس کی انگلیوں کے نشانات بھی آپ کے ریکارڈ میں

موجود تھے۔“

”یقیناً..... ورنہ اتنی جلدی اس نتیجے پر کیسے پہنچتا۔“ فریدی سگار کا گوشہ توڑتا ہوا بولا۔

”اور تمہیں یہ معلوم کر کے حزیہ حیرت ہو گی کہ اس لڑکی کا تعلق دنیا کی خطرناک ترین تنظیم

مانیا سے بھی تھا۔“

”تب تو آپ نے سوئزر لینڈ سے واپسی کے بعد بھی اس پر نظر رکھنے کی کوشش کی

ہو گی۔“

”نہیں ایسا نہیں کر سکا تھا۔ کیونکہ وہ سوئزر لینڈ میں ہی مجھے جل دے کر غائب ہو گئی

تھی۔ میں اسے راضیوں کے ہٹ سے زبردستی لے گیا تھا۔ ایک خاص معاملے کے متعلق اس

سے پوچھ گچھ کرنی تھی لیکن بلاخر وہ میرے ہاتھ سے بھی گئی اور میں اپنے مقصد میں ناکام

رہا۔“

”کس معاملے میں پوچھ گچھ کرنی تھی۔“

”مجھے افسوس ہے حمید صاحب۔ اس معاملہ میں اس وقت تک کچھ نہ بتا سکوں گا جب

تک صاحب معاملہ اس کی اجازت نہ دے۔“

”اچھا..... اچھا.....!“ حمید نے سر ہلایا اور بولا۔ ”ایک بات اور..... کیا اس لڑکی

سے بھی بھئی کی موت چھپائی گئی تھی۔“

”یقیناً.....!“

”مجھے حیرت ہے۔ بھئی کوئی اہم سرکاری خدمت بھی انجام نہیں دے رہا تھا۔ جھٹی پر

تھا اس کے باوجود بھی آج تک سرکاری کاغذات میں زندہ ہے اور اس کی تنخواہ بھی لگ رہی ہے..... دوسری طرف آپ کہتے ہیں کہ یہ ایک بڑے آفیسر کا نجی معاملہ ہے۔ مجھے بتائیے کیا یہ جرم نہیں ہے۔ اس بڑے آفیسر کو کب یہ حق پہنچتا ہے کہ.....!“

”میری بات سنو۔“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”بھئی کی موت واقعی طور پر چھپائی گئی تھی۔ اس کے بعد اسے سرکاری کاغذات میں زندہ رکھنے کی ذمہ داری صرف مجھ پر ہے۔ میرے مشورے پر ایسا کیا گیا ہے۔“

”پہلے تو آپ نے کہا تھا کہ بھئی کی موت کی خبر پھیلنے پر بعض بین الاقوامی وجہ گئیں پیدا ہو سکتی ہیں۔“

”اس وقت میں بحث کے موذ میں نہیں تھا۔“

”جنہم میں جائے۔“ حید گردن جھٹک کر بولا۔ ”میں بھی اس وقت بحث کے موذ میں نہیں ہوں۔ یہ بتائیے کہ آپ کیسپر کے لئے کیا کر رہے ہیں۔“

”اب اس کی عمرانی بھی کی جائے گی۔“



ڈی۔ ایس۔ پی بیراگی کی حیرت انگیز موت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی تھی۔ اخبارات نے تفصیل کے ساتھ واقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے خیال ظاہر کیا تھا کہ یہ سب کچھ کسی بین الاقوامی گروہ کی سازشوں کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ دشمن ممالک کے جاسوس عرصہ سے کوشش کر رہے ہیں کہ محکمہ سراغ رسانی کے بین الاقوامی شہرت رکھنے والے ایک آفیسر کو اپنے راستے سے ہٹادیں۔ ڈی۔ ایس۔ پی بیراگی غالباً انہیں کا ایجنٹ تھا۔ سازش ناکام رہی۔ اس لئے اس کے پشت پناہوں نے اسے بھی ختم کر کے خود کشی اسلج کر ڈالی۔ انہیں خدشہ تھا کہ بیراگی ان کی نفاذ ہی کر دے گا۔ خیال ہے کہ آفیسر مذکور کو سازش کا ”عظم ہو گیا تھا۔ ورنہ وہ بیراگی کی موت کی پیشین گوئی کیسے کر سکتا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی

بھی کہتی ہے کہ بیراگی کی موت رسی کے پھندے سے نہیں واقع ہوئی۔

دوسری طرف حید سوچ رہا تھا کہ اگر یہ غیر ملکی جاسوسوں کی حرکت تھی تو اس کی پہلنی کیوں کی جارہی ہے۔ پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔ اس کے برعکس انہیں تو چپ چاپ ٹھکانے لگا دینے کی کوشش کی جاتی تھی۔

حید نے یہی سوال فریدی سے کیا تھا؟ جواب ملا۔ ”بے پر کی اڑاتے ہیں..... یہ لوگ بھی۔“

اس جواب پر بھنا کر خاموش ہو گیا تھا۔ پھر بات آکے نہیں بڑھی تھی اور حید صرف جولی وکٹر کے متعلق سوچتا ہوا گھر سے رخصت ہو گیا تھا۔

کیا چیز ہے۔ ایسی پرکشش لڑکیاں شاذ و نادر ہی نظر سے گزری تھیں۔ ذہنی اعتبار سے بھی عجیب ہی تھی۔ حید سوچ رہا تھا اگر اس کی بکواس پر یقین کر لیا جائے تو وہ کھلی ہوئی مسائی، ذہنیت کی حامل تھی۔ اسے رام گڑھ کی تار یہ یاد آئی جو اپنے وحشیانہ قتل کے تصور سے بھی لطف اندوز ہوا کرتی تھی۔

کچھ دیر بعد اس نے ایک پبلک فون بوتھ سے جولی وکٹر کو متوجہ کرنا چاہا۔ لیکن دوسری طرف سے غراتی ہوئی آواز سن کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

”کب کیا کرے۔ اس وقت تنہا نہیں رہنا چاہتا تھا۔ ساتھی کی تلاش تھی اپنے ٹھکے یا پیٹے کے متعلق کچھ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔“

بہر حال وہ اسی طرح بور ہوتا ہوا کینے نوروز آہنچا۔ یہاں کاؤنٹر کلرک ایک لڑکی تھی۔ اس پر نظر پڑتے ہی حید نے سوچا کہ اسے تو لڑکی کے بجائے ”چنشی“ کہنا چاہئے۔ آخر کس بناء پر لڑکی کہتا جب کہ اس کے جسم میں بڑی بڑی آنکھوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔ خاص انداز میں لگایا ہوا کاجل ان کی جسامت کچھ اور بڑھا کر انہیں پورے جسم پر حاوی کر دیتا تھا۔

”چنشی صاحبہ۔“ اس نے کاؤنٹر کے قریب پہنچ کر کہا۔ ”ڈرائی فون ڈائریکٹری عنایت کیجئے۔“

”میرا نام شی ہے۔“ لڑکی ناخوشگوار لہجہ میں بولی اور ڈائریکٹری اس کی طرف سرکائی ہوئی رجسٹر پر جھک پڑی۔

”صرف جج کے اضافہ سے آپ بالکل واضح ہو جاتی ہیں۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔

”جی.....!“ لڑکی نے ٹیکسی نغروں سے دیکھا۔

”میں اپنی غلط فہمی پر تادم ہوں محترم۔“ حمید نے نہایت لاد سے کہا۔

”نہیں پہلے کیا کہا تھا۔“ وہ تیز لہجہ میں بولی۔

”یہی کہ میری یادداشت اب قابل اعتماد نہیں رہی.....“ شی میں جج کا اضافہ اس کی دلیل ہے۔“

”میں بے وقوف نہیں ہوں مسٹر۔“ اس نے ڈائریکٹری اپنے طرف کھینچے ہوئے کہا۔

”نئی فون خراب ہے..... لائن ڈیڈ ہو گئی ہے۔“

”مجھے کال نہیں کرنی..... صرف ایک نمبر کی تلاش ہے۔“

”تعارف حاصل کرنے کا گھٹیا طریقہ۔“

”خدا تمہیں تند رستی عطا کرے۔“ حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔

باہر نکلے نکلے ایک آدمی اس طرح اس کے پہلو سے رگڑتا ہوا گزرا کہ بے اختیار آؤ

آگیا۔ لیکن پھر سنبھل جانا پڑا۔ مخصوص قسم کا اشارہ تھا۔ اس نے اپنے کوٹ کی جیب پر

مخصوص قسم کا دباؤ محسوس کیا تھا۔ مڑ کر دیکھے بغیر وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس طرح دھکا دے

کر گزرنے والے نے کوئی چیز اس کی جیب میں ڈالی تھی۔

اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ٹٹولا۔ کاغذ کا ایک ٹکڑا تھا۔ اس نے اسے جیب میں پڑا

رہنے دیا اور خود آگے بڑھتا چلا گیا۔

لیکن اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی ایسے طریقے کب اختیار

کرتا ہے۔

گھڑی اسی کہنے کے سامنے چھوڑ کر وہ دوسری سڑک پر آیا اور ہوٹل ڈی فرانس کے ہال

میں داخل ہوتے ہی سیدھے ہاتھ روم کا رخ کیا۔

پرچہ جیب سے نکال کر پڑھتے وقت باقاعدہ طور پر سانس پھول رہی تھی۔ نکلتا تھا۔

”عمل نمبر گیارہ..... وزیر صنعت و تجارت کی کوٹھی..... نوبے رات۔“

اس نے پرچہ پھاڑ کر گولی کی بتائی اور اسے فلتش میں ڈال کر بہا دیا۔ اس قسم کی پیغام

رسانی کا مطلب یہ تھا کہ فریدی نے اس کے گھر چھوڑ دینے کے بعد ہی کوئی اہم فیصلہ کیا تھا اور

یہ کہ خود حمید کی نگرانی بھی اس کے ٹکے کی آوی کرتے رہے تھے۔ اس قسم کی پیغام رسانی

اسی وقت ہوتی تھی جب شبہ ہو کہ خود مجرم سراخ رساں کی نوہ میں ہوں گے۔

شعور واد رہی اس کی نوبت آتی تھی۔ لیکن ایسے مواقع پر انہیں ہمیشہ موت کے جڑوں

میں ہاتھ دے دینا پڑتا تھا۔

اس نے ہوٹل ڈی فرانس میں کافی پی اور بیٹھا سوچتا رہا کہ ابھی تو دو گھنٹے باقی ہیں۔ دیکھا

جائے گا..... ویسے اب اسے بہت زیادہ محتاط رہنا تھا..... دیکھنا تھا کہ اس کی نگرانی تو نہیں

ہو رہی۔ اصول کے مطابق اس تک اس پیغام کے پہنچنے کے بعد سے ٹکے کے آدمیوں نے اس

کی دیکھ بھال بند کر دی ہوگی تاکہ وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو سکے۔ یعنی نامعلوم تعاقب کرنے

والوں کو ٹکے سے متعلق سمجھ کر دھوکا نہ کھا سکے۔

سازمے سات بجے وہ ہوٹل ڈی فرانس سے اٹھا اپنی گاڑی وچیں رہنے دی جہاں چھوڑی

تھی اور عمل نمبر گیارہ کی تکمیل کے لئے پیدل ہی چل پڑا۔

عمل نمبر گیارہ کا مطلب تھا ایک مخصوص ٹھکانے پر میک اپ کر کے بتائی ہوئی جگہ کے

لئے روانہ ہوگی۔ شہر میں بہترے ایسے ٹھکانے تھے۔ ان میں سے اکثر کی کنجیاں حمید کے پاس رہتی

تھیں۔ وہ ان میں سے کسی ایک جگہ پہنچ کر میک اپ کر سکتا لیکن اس عمل نمبر گیارہ کا سب

سے مشکل مرحلہ تھا کہ عمارت میں چوروں کی طرح داخل ہوئے۔

ایسے میں اگر اچانک صاحب خانہ سے ملاقات ہو جائے تو فوری طور پر ”السلام علیکم“ ہی

آڑے سکتا ہے۔ وہ کم از کم ”وعلیکم السلام“ کے بعد ہی کسی قسم کی کاروائی کے امکانات کا جائزہ

”ادھر ہی چلے آؤ۔“

حمید جھازیوں میں گھس پڑا۔ فریدی دیوار سے لگا کھڑا تھا۔ ان میرے میں شکل نہ دکھائی دی۔ اس لئے یہ اندازہ کرنا دشوار تھا کہ وہ بھی میک اپ میں ہے یا نہیں۔

”اس دروازے میں.....“ وہ حمید کا ہاتھ پکڑتا ہوا ہوا۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ چہار دیواری کے اندر تھے۔ فریدی نے مڑ کر دروازہ مقفل کیا۔

پھر حمید اندھیرے میں اس کے ساتھ چلا رہا۔

یہ بڑی اچھی بات تھی کہ کپاؤٹ میں داخل ہونے کے بعد سے ابھی تک اس نے کسی

کتنے کی غراہٹ نہیں سنی تھی۔ ورنہ ہاتھ پر پھول جاتے۔ اندھیرے میں کتوں کی غراہٹ

اسے ایسی ہی معلوم ہوتی تھی جیسے بیک وقت ہزاروں غصیٹ روہیں گونج پڑی ہوں۔

اس کا ہاتھ فریدی کے ہاتھ میں تھا اور وہ اندھوں کی طرح چل رہا تھا۔ کپاؤٹ کے

تاریک ہی حصوں سے گزرتے ہوئے وہ بالآخر رہائشی عمارت میں داخل ہوئے۔

پھر اندھیرے میں انہوں نے زمین پر بھیٹے کیے اور عمارت کی تیسری منزل پر پہنچے۔

برہنہ ہزاروں بھر آسمان صد سال پرانی کشت و خون کی کہانیاں سن رہا تھا۔ ایسے مواقع پر

حمید کو اس عظیم خلاء کی بے کراں پہنائیاں ایسی کہانیاں ضرور یاد دلاتی تھیں اور وہ خود کو بھی

ہزار ہا سال پرانا آدمی تصور کرنے لگتا تھا۔ سوچتا آج بھی تو سب ایک دوسرے کی گھا۔ میں

میں۔ خون ضرور بہے گا خود وہ قانون ہی کے نام پر کیوں نہ ہو۔

فریدی اس سے کہہ رہا تھا۔ ”یہاں اس نیپ ریکارڈر کی تمہیں حفاظت کرے گی۔“

موصوف کو نہیں معلوم کہ یہاں کوئی نیپ ریکارڈر بھی لایا گیا ہے۔

”آپ کی موجودگی کا علم ہے انہیں۔“

”ہاں میری موجودگی کا علم ہے انہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ کسی کیس کے سلسلے میں ان کا

نام آئے۔ لیکن مجھے اپنا بچاؤ بھی تو مد نظر ہے۔“

”نہیّا پکڑ ہے۔“

لے گا۔

لیکن کوئی نہیں جانتا کہ مالک مکان کے علاوہ کتنے کتنے ہوں گے۔ کتے جو سلام ریسیور

کرنے سے پہلے ہی مزاج پر سی کر بیٹھتے ہیں اور پھر یہاں تو وزیر تجارت و صنعت کی کوٹھی کا

مقابلہ تہہ دو عدد مسلح سنتریوں کی خوفناک شکلیں بھی آنکھوں میں پھر گئیں۔ سنتری آزاد

علاقے سے تعلق رکھتے تھے اور پہلی ہی آواز پر جواب نہ ملنے پر گولی مار دینا ہی ان کی سب سے

بڑی خصوصیت تھی۔

حمید نے طویل سانس لی اور آہستہ آہستہ چلا رہا۔

کئی ایسی گلیوں میں ایسا جہاں اس کا اندازہ بخوبی ہو سکا کہ اس کا تقاب کیا جا رہا ہے

یا نہیں۔

منزل مقصود تک پہنچنے پہنچے وہ بالکل مطمئن ہو گیا کہ اس کا تقاب نہیں کیا گیا۔ لیکن

سب سے بڑا سوال تو یہ تھا کہ وزیر موصوف کی کوٹھی میں گھسنے کے بعد اسے کیا کرنا ہو گا۔

میک اپ کر لینے کے بعد کوٹھی کے قریب بھی پہنچ گیا لیکن اس سوال کا کوئی مناسب

جواب نہ مل سکا۔

گیٹ کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس نے خونخوار قسم کے سنتریوں پر نظر ڈالی۔ ایک

شاید پہلے سے وہیں کھڑا تھا اور دوسرا بھی ابھی اندر کا دروازہ لے کر وہاں پہنچا تھا۔

حمید آگے بڑھتا چلا گیا۔

عمارت کے گرد تقریباً دس فٹ اونچی چہار دیواری تھی۔ پورا چکر لے کر وہ عمارت کی

پشت پر آ رہا۔

اب کیا نقب لگانی پڑے گی۔ وہ سوچنے لگا۔ لیکن ٹھیک اسی وقت پشت سے ہلکی سی سیٹی

سنائی دی۔ اگر سیٹی کا اندازہ نہ پہچانتا ہو تو مڑتے وقت ریوالور ضرور نکل آتا۔

آواز کی جانب بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ جھازیوں کے قریب پہنچ گیا۔ جہاں سے دیوار دوسری

جانب مڑی تھی۔ وہاں ہی جانا پڑا۔ کیونکہ اب وہ فریدی کی سرگوشی صاف سن سکتا تھا۔

”میں یہاں..... بھئی کا خضر ہوں۔ خیر..... تم سنو..... سرخ رنگ کا بلب روشن ہوتے ہی ریکارڈ کو چلا دینا اور اس کا بھی خیال رکھنا کہ تم پر کسی کی نظر نہ پڑنے پائے۔“

”کیا بھئی یہاں آئے گا..... اس چھت پر۔“

”بچوں کی سی باتیں مت کرو۔“

”اوہ..... تو مجھے یہاں تنہا رہنا پڑے گا۔“

”چلو بیٹھو.....!“ فریدی اس کے شانوں پر دباؤ ڈالتا ہوا بولا۔

حمید نے طویل سانس لی اور تن پہ تقدیر ہو گیا۔ اشتعال تو پہلے ہی سے طاری تھا ذہن پر..... وہ سوچ رہا تھا کہ یہ معرکہ اس کی آنکھوں کے سامنے سر نہ ہو سکے گا۔



یہ کمرہ بالکل تاریک تھا۔ یہاں فریدی تنہا نہیں تھا۔ ایس پی ہوی سائیڈ بھی اس کے قریب ہی کھڑا اس کمرے میں جھانکنے کی کوشش کر رہا تھا جہاں وزیر صاحب تنہا ٹہل رہے تھے۔ ان کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔

”انہیں علم نہیں ہے کہ یہاں میرے علاوہ اور کوئی بھی ہے۔“ فریدی نے سر کوئی کی۔

”اس لئے آپ محتاط رہے گا۔“

”بہتر ہے۔“ ایس پی بولا۔

ہوی سائیڈ والوں کو ایس۔ پی حیرانگی کے قتل کے بعد سے چکر پر چکر آرہے تھے شاید اسی لئے فریدی نے ان کے ایس۔ پی کو بھی اس مہم میں شریک کر لیا تھا۔

دفعتاً دوسرے کمرے سے کسی کے کھکھارنے کی آواز آئی اور فریدی پوری طرح اس طرف متوجہ ہو گیا۔

بھئی پردہ ہٹا کر کمرے میں داخل ہوا تھا۔ وزیر صاحب ٹپٹے ٹپٹے رک گئے۔ ان کے چہروں پر زردی چھائی ہوئی تھی۔

بھئی نے انہیں محمور تے ہوئے کھانکی کی گھڑی پر نظر ڈالی اور بولا۔ ”کیا فیصلہ کیا؟“

”میں ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکا۔“ وزیر صاحب کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

”میرے پاس وقت نہیں ہے۔“ بھئی غرایا۔

”لیکن..... لیکن..... یہ تو سوچو کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے اور تمہیں اس سے

کیا فائدہ ہوگا۔“

”فائدہ.....!“ بھئی زہر خند کے ساتھ بولا۔ ”آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مجھے

اس سے کیا فائدہ ہوگا۔“

”اچھی بات ہے..... جو تمہارے دل میں آئے کرلو۔“ وزیر صاحب نے کانپتی ہوئی

آواز میں کہا۔ ”ملک و قوم سے غدری کامرنگ نہیں ہو سکوں گا۔“

”اچھی بات ہے..... تو پھر کل صبح۔“

”نہیں..... ابھی اور اسی وقت مسٹر بھئی۔“ فریدی نے دروازے کو دھکا دے کر

کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور کا رخ بھئی کی طرف تھا۔ ایس پی ہوی سائیڈ جہاں تھا وہیں رہا۔

بھئی ایک بل کے لئے چوکا تھا پھر اس کی آنکھوں میں طنزیہ سی مسکراہٹ ناچنے لگی تھی۔ کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے تاکھڑا رہا۔

”ہاتھ اوپر اٹھاؤ.....!“ فریدی تھکسانہ لہجے میں بولا۔

بھئی کے ہاتھ جیبوں سے نکل کر اوپر اٹھتے چلے گئے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی

نے بائیں جانب چھلانگ لگائی۔ ایک بل کے لئے بھی غفلت برتی ہوتی تو سامنے دہلی میز کی

طرح اس کے بھی پرچے اڑ گئے ہوتے۔ شاید اس نے بھئی کے ہاتھ میں وہ عجیب و غریب وضع

کا ایک ریوالور دیکھ لیا تھا۔ بے آواز..... اور چنگاریاں برسانے والا..... اس کی ہل سے

سنبری چنگاریوں کی دھار سی نکل کر میز سے نکل کر تھی اور میز کے چیمڑے اڑ گئے تھے۔

”خبردار.....!“ ایس پی ہوی سائیڈ نے دوسرے کمرے سے لاکھارتو لیکن کھلے ہوئے



دروازے کے سامنے آنے کی ہمت نہ کر سکا۔ آواز ہی پر بھیجی کے عجیب و غریب رویہ اور کارخ دروازے کی طرف پھر گیا تھا۔ چنگاریوں کی دھند نکل کر دروازے سے گزر گئی اور ایسا کڑا کا ہوا جیسے بجلی چمکی ہو۔ ایس بی نے اپنی پشت والی دیوار میں ایک فٹ قطر کا سوراخ ہوتے دیکھا۔ بجلی کا سا کڑا کا اسی وقت ہوا تھا جب چنگاریاں دیوار سے نکل آئی تھیں۔

ٹھیک اسی وقت اس نے پے در پے تین فائروں کی آواز سنی اور پھر ایک طویل جھج کوئی دھم سے گرا تھا۔

وزیر صاحب کی خوفزدہ آواز آئی "اوہ..... اوہ یہ کیا ہوا.....؟"

"اب آجائے..... کیپٹن۔" فریدی نے اونچی آواز میں کہا تھا اور ایس بی بھی تیزی سے اس کمرے میں داخل ہوا تھا۔

بھئی فرش پر پیت پڑا ہوا تھا..... اور فریدی دوسرے کمرے کی دیوار میں ہو جانے والے سوراخ کو گھورے جا رہا تھا۔ ایس بی لاش پر جھک پڑا۔ دل کے مقام پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تین گولیاں لگی تھیں جن سے ابھی تک خون ابل رہا تھا۔

"آپ لوگ محفوظ ہیں۔" ایس بی نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں ان سے پوچھا۔

"بالکل....." فریدی مسکرایا۔ لیکن وزیر صاحب دل پر ہاتھ رکھے ہوئے آگے پیچھے

جھولتے ہوئے ہلے۔ "مجھے ہانٹ ایک ہوا ہے۔"

فریدی نے جھپٹ کر انہیں سنبھالا۔ ورنہ وہ بھی لاش کے برابر ہی ٹٹ گئے ہوتے۔



چار بیچے صبح فریدی کے دفتر میں اس کے ساتھیوں نے اسے گھیر رکھا تھا۔ وہ اس سے معلوم کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ اسے وزیر موصوف کے قتل کی سازش کا علم کیونکر ہوا تھا اور حمید سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی نے بھی کو مار کیوں ڈالا۔ بھیجتا تھا اور تباہ جرم خولہ کتنا ہی زبردست حربہ کیوں نہ رکھتا ہو فریدی کے کھیلنے کی چیز تھی۔ وہ ایسے ہی مجرموں کو زندہ

پکڑنے کے لئے اپنی جان تک کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔

دفعہ سب بوکھلا کر ادھر ادھر منتشر ہو گئے کیونکہ ڈی۔ آئی۔ بی فریدی کے دفتر میں داخل ہوا تھا۔

"یہ یہ..... تم نے کیا کیا۔" ڈی۔ آئی۔ بی نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں فریدی کو مخاطب کیا۔

"میں نہیں سمجھا تھا۔" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تم دونوں میرے ساتھ آؤ۔" ڈی۔ آئی۔ بی نے حمید کی طرف بھی دیکھا۔

کمرے میں سناٹا چھا گیا تھا۔ وہ ڈی۔ آئی۔ بی کے پیچھے چلتے ہوئے آفس کی لائبریری میں آئے۔ یہاں انہیں ایس بی ہوئی سائیڈ کے علاوہ اور کوئی نظر نہ آیا۔ جو انہیں دیکھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"تم بتاؤ..... وہ لاش کس کی ہے۔" ڈی۔ آئی۔ بی نے ایس بی سے پوچھا۔

"مسٹر رائٹور..... ایم بی کی۔" ایس بی نے کہا۔

"نہیں.....!" فریدی متحیرانہ لہجے میں چیخا۔

"جی ہاں۔"

"آپ نے مجھے وہیں کیوں نہیں بتایا تھا۔" فریدی نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"مم..... میں خود بھی نہیں پہچان سکا تھا..... وہ تو ہسپتال میں مطلب یہ کہ وہاں

جب وہ خول چرے سے اتارا گیا تو..... وہ رائٹور صاحب تھے۔"

"میک اپ....." فریدی کے لہجے کی حیرت اب بھی برقرار تھی۔

"جی ہاں..... حیرت انگیز میک اپ..... میں نے آرٹسٹ کا میاں پلاسٹک میک

اپ نہیں دیکھا۔"

کچھ دیر کے لئے سناٹا چھا گیا۔ حمید نے ڈی۔ آئی۔ بی کے ہونٹوں پر خفیف سی

مسکراہٹ دیکھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ایس بی سے کہا۔ "اب آپ جا سکتے ہیں۔"

ایسی بی نے ایزیاں بجائیں اور باہر چلا گیا۔

”کیا تم نے مجھ سے بھئی کی موت کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔“ ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

”جی ہاں کیا تھا..... اور یہ بھی بتایا تھا کہ وہ سوئٹزر لینڈ میں مر جانے لے باوجود بھی یہاں دیکھا گیا ہے ظاہر ہے کہ مجھے تو اس کا تعاقب کرنا ہی تھا۔“

”مجھ سے بھی دعویٰ باتیں۔“ ڈی۔ آئی۔ جی نے آنکھیں نکال کر بزرگانہ انداز میں کہا۔

”اب میں کیا عرض کروں۔ بھئی کی موت کے متعلق پوری دنیا میں چند افراد کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ میں‘ آپ‘ راتھور، سفیر صاحب اور سیکریٹری وزارت خدجہ.... آپ نے بھئی کی موت کی خبر آج تک اپنی ہی ذات تک محدود رکھی تھی۔ لہذا اب میں جو کچھ آپ کو بتانے جا رہا ہوں اسے بھی آپ اپنی ہی ذات تک محدود رکھیں گے۔“

”میں وعدہ کرتا ہوں؟“

”میں ابھی صاحب معاملہ سے فون پر اجازت لے چکا ہوں۔ میں نے اُن سے کہا تھا کہ ڈی۔ آئی۔ جی صاحب کو بتائے بغیر کام نہیں چلے گا۔ کیونکہ وہ بھی سوئٹزر لینڈ میں بھئی کی موت سے واقف ہیں۔ انہوں نے اجازت دے دی ہے لیکن استدعا بھی کی ہے کہ آپ اس معاملے کو بھی اپنی ہی ذات تک محدود رکھیں۔ بھئی بہت بڑا بلیک میلر تھا۔ ملک کی بڑی بڑی شخصیتوں کی بعض ایسی کمزوریاں اسے معلوم تھیں جن کی بناء پر وہ انہیں بلیک میل کر سکتا تھا۔ ان میں دو شخصیتیں بے حد نمایاں تھیں ایک تو سفیر صاحب جو سوئٹزر لینڈ میں تھے اور دوسرے وزارت خدجہ کے سیکریٹری صاحب اور یہ دونوں حضرات کسی ایک ہی معاملے میں بلیک میل کئے جا رہے تھے۔ بھئی نے انہیں دھلا کر کھاتا تھا۔ غالباً اس نے اپنے سبھی شکاروں سے کہہ رکھا تھا کہ اگر وہ کسی طرح اچانک مر گیا تو اُن کے معاملات کھل کر منظر عام پر آجائیں گے کیونکہ اُن کے خلاف سارے ثبوت ایک ایسی ہستی کے پاس محفوظ ہیں جو دنیا کی ایک خطرناک تنظیم سے تعلق رکھتی ہے۔ اگر اُن کے راز اس تنظیم کے ہاتھوں پہنچ گئے تو پھر ان کا کہیں ٹھکانہ ہو گا۔ لہذا جیسے ہی سفیر کی دی ہوئی اطلاع سیکریٹری صاحب کو پہنچی اُن کے ہاتھ

بہر پھول گئے اور اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ رہ گیا کہ وہ کسی پر اعتماد کریں۔ نظر انتخاب مجھ پر پڑی۔ لیکن یہ کسی طرح ممکن نہیں تھا کہ آپ کے علم میں لائے بغیر میں ملک سے باہر جا کر کسی معاملے کی تفتیش کر سکتا۔ بہر حال میرے پہنچنے پہنچنے بھئی کی موت کا تذکرہ کیا جا چکا تھا۔ ہم نے راتھور صاحب کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ بھئی کی موت کا تذکرہ کسی سے بھی نہ کریں، انہیں بتایا کہ بھئی کی موت کی خبر پھیلنے سے بعض بین الاقوامی پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ انہوں نے بڑے خلوص سے وعدہ کیا تھا اور اس پر قائم بھی رہے۔ موت اس خیال سے پسپائی گئی تھی کہ اُس ہستی کو خبر نہ ہونے پائے جس کے پاس بھئی کے بیان کے مطابق اس کے شکاروں کے خلاف ثبوت محفوظ تھے۔ پھر یہ مشہور کرنے کی کوشش کی گئی کہ بھئی یورپ کے کسی ملک میں کسی اہم فرض کی انجام دہی کے سلسلے میں مقیم ہے۔ اس کی تنخواہ بھی ملتی رہی اور بدلتی دستخط سے اس کی وصولیابی کا انتظام بھی کیا گیا۔“

”لیکن اب اس کے لئے کیا جواز پیش کرو گے۔“ ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

”سیکریٹری صاحب جانیں۔ مجھے اس سے کیا سروکار..... ہاں تو مجھے لڑکی پر اسی ہستی کا شبہ ہوا تھا جس کی طرف بھئی نے اشارہ کیا تھا۔ میں نے اس کے سلسلے میں چھان بین شروع کی اور دو تین دن ہی میں اس کا ثبوت فراہم کر لیا کہ وہ عالمی بینے پر منشیات کی غیر قانونی تجارت کرنے والے گروہ مافیا سے تعلق رکھتی ہے۔ ایک شام میں اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ راتھور صاحب اکڑ گئے کیونکہ وہ بھئی کی موت کے بعد بھی انہیں کے یہاں مقیم رہی تھی۔ مجبوراً مجھے اس کو وہاں سے زبردستی اٹھالے جانا پڑا۔“

”زبردستی۔“

”جی ہاں..... مجبوری تھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ راتھور صاحب سائے کی طرح اس کے ساتھ لگے رہتے تھے۔ بہر حال میں اسے اپنی قیام گاہ پر لا با تھا لیکن چند گھنٹوں کے بعد وہ وہاں سے غائب ہو گئی۔ اس کے بعد پھر میں نے پچھلے دنوں اس کی لاش اس حالت میں دیکھی تھی کہ سر غائب تھا۔ ہتھیلیاں اور پنے کاٹ لئے گئے تھے۔“

”تو وہ اسی کی لاش تھی۔“ ڈی۔ آئی۔ جی نے حیرت سے کہا۔

”میرا تو یہی خیال ہے۔“ بھٹی کی دریافت کے بعد فوراً ہی میں نے مکان سے لئے گئے انگلیوں کے نشانات بے لڑکی کی انگلیوں کے نشانات کا موازنہ کر لیا تھا۔ کچھ نشانات ان سے مل گئے تھے۔“

کچھ دیر خاموش رہ کر فریدی نے بھٹی کی دوبارہ دریافت سے بے کر حید کے راضور کے بچے میں پھنسنے تک کی داستان سنائی اور ڈی۔ آئی۔ جی کی اجازت سے سگار سلگا کر بولا۔

”بھٹی کا نام آتے ہی راضور کا خیال آیا تھا۔ کیونکہ آنا قدرتی بات تھی۔ میں جانتا تھا کہ حید کو اچانک اپنی کوٹھی میں دیکھ کر وہ کیا کرتے ہیں۔ لڑکی والے والے کے بعد سے وہ حضرت مستقل طور پر میری تاک میں رہتے تھے اور میں بھی ان کی طرف سے غافل نہیں رہا تھا اور اس رات تو خصوصیت سے توجہ دینی پڑی تھی۔“

”تو تم جانتے تھے کہ بھٹی کے روپ میں وہ راضور ہی تھا۔“ ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

”راضور یا اسی کا کاندھ۔“

”ہرگز نہیں۔۔۔۔۔۔“ ڈی۔ آئی۔ جی مسکرایا۔ ”اگر تمہیں اس کے راضور ہونے کا یقین

نہ ہو تا تو اسے مار نہ ڈالتے۔“

”چلے یہی سمجھ لیجئے۔ بلکہ حقیقت بھی یہی ہے۔ میں نے سوچا اگر زندہ گرفتار کرتا ہوں تو ہو سکتا ہے کہ الٹی آستیں گلے پڑ جائیں۔ پتہ نہیں اور کن کن بوی شخصیتوں کو بلیک میل کرنا رہا ہو۔ ان پر ڈاؤن کھ کر اپنا بچاؤ کرے۔ وزیر صنعت و تجارت کا حال آپ نے دیکھ ہی لیا۔“

”لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ وزیر صنعت کو بھی بلیک میل کر رہا ہے۔“

”حید کو جب اس نے اپنی کوٹھی میں پکڑا تھا۔ تو اس سے ایک ایسی تحریر لی تھی جس کی بناء پر وہ مستحقاً بلیک میل کر سکا۔ یہیں سے میرا یہ شبہ یقین تک پہنچا کہ بھٹی کے روپ میں اب راضور ہی اس۔“ جا رہا ہے۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ وہ ایک بڑا صنعت کار

بھی تھا اور لینڈر بھی۔ لہذا اس کی بلیک میلنگ سیاسی اور اقتصادی حیثیت کی ہوتی ہو۔ بھٹی کی موت کے بعد صرف دو شکاروں کا اس سے پہچان چھوٹ گیا تھا۔ سفیر برائے سوئٹزر لینڈ اور وزارت خارجہ کے سیکریٹری۔ چونکہ بقیہ دنیا کے لئے وہ مرچکا تھا اس لئے راضور بہ آسانی بھٹی کے روپ میں ان دونوں کے علاوہ اور سب کو دھوکا دیتا رہا۔ انہیں تو پھر چیمبر انہیں لیا تھا بہر حال میں نے قیاس کیا کہ وزیر صنعت پر بھی اس نے جال ڈالنے کی کوشش کی ہوگی لائسنس اور پرمٹ کے چکر میں۔۔۔۔۔۔ اندازہ غلط نہ نکلا۔ وہ حقیقتاً انہیں بلیک میل کر رہا تھا اور اتفاق سے انہیں دنوں نئی تجارتی پالیسی سے متعلق کچھ ایسے نکات ان سے معلوم کرنے کی کوشش کر رہا تھا جن کا منظر عام پر آنا ملک۔ قوم کے لئے سود مند تھا۔ میں نے بڑی مشکل سے وزیر موصوف کو بولنے پر آمادہ کیا تھا۔ انہیں یقین دلایا تھا کہ اس واقعہ کو دوسرا رنگ دینے کی کوشش کی جائے گی۔ کچھ اس وجہ سے اور بھی میں اسے زندہ نہیں گرفتار کر سکا۔“

”لیکن۔۔۔۔۔۔ وہ لڑکی۔۔۔۔۔۔ کیوں قتل کی گئی۔۔۔۔۔۔ اور لاش کی تشہیر کا کیا مطلب

تھا۔“ ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

”اس کا صحیح جواب تو راضور ہی دے سکتا تھا۔ لیکن تیرا قیاس ہے کہ کسی زمانے میں راضور بھی بھٹی کے شکاروں میں سے رہا ہو گا اور اس نے کچھ ہی قیاس کیا ہو گا کہ وہ لڑکی بھی بھٹی کی امراز ہو سکتی ہے۔ لہذا بھٹی کی موت کے بعد وہ خود ہی بھٹی بن بیٹھا۔ صرف ان لوگوں کے سامنے بحیثیت بھٹی نہیں آیا جنہیں بھٹی کی موت کا علم تھا اور پھر غالباً اس نے خصوصیت سے اپنے مطلب کے شکاروں کو الگ کر کے بقیہ کو نظر انداز کر دیا تھا۔ اس کی بھی ایک مثال میرے سامنے آئی تھی۔ خیر اسے چھوڑ دیجئے۔ آپ لڑکی کے قتل اور لاش کی تشہیر کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ میرا خیال ہے کہ لڑکی کو بھی شبہ ہو گیا تھا کہ یہ بھٹی نہیں ہے اس لئے وہ ان ثبوتوں کو دبا بیٹھی ہوگی جو راضور سے متعلق تھے۔ اس لئے کہ بھٹی راضور ہی کے یہاں سے غائب ہوا تھا۔ لڑکی سے اس وقت سفیر خارجہ نے یہی کہا تھا کہ وہ بے حد ضروری کام کے سلسلے میں فوری طور پر کسی دوسرے ملک کے لئے روانہ ہو گیا ہے پھر میں زبردستی اسے

بھی نگرانی کرنے والوں کو دھوکا دینا پڑا تھا۔ بہر حال مجھے یقین تھا کہ تم کو غشی میں کھنسنے کا راستہ تلاش کرتے ہوئے عدالت کی پشت پر ضرور آؤ گے۔“

”اور وہ لڑکی.....“ حید نے پھر غنڈی سانس لی۔

”غالب تہوار“ منہ جلی وکڑی کی طرف ہے۔ اُس نے تم سے جتنی بھی باتیں کی تھیں سب بھروسہ..... اس سے بھی مجھے بڑی مدد ملی ہے جب پہلے پہل ہم اس مکان کے سامنے مالک مکان سے گفتگو کر رہے تھے وہ ہم تک پہنچی تھی اور ہمیں ایسی طرح پچھانتی بھی تھی۔ انجان اس لئے بنی تھی کہ ہمیں کی نشاندہی کرنا چاہتی تھی۔ وزارت خارجہ کی گاڑی کا تذکرہ سب سے پہلے اسی نے کیا تھا۔ لیکن ہمیں کامیاب بنانے سے گریز کرتی رہی تھی۔

”اوہ تو کیا وہ اسے ایک بلک سلیبر کی حیثیت سے جانتی تھی۔“

”ہاں..... کیونکہ ایک سال پہلے تک وہ اس کے باپ سے بھی سراسر مایوس کر رہا تھا۔ اُس کے کسی راز کو راز رکھنے کے صلے میں..... وہ اپنے شکاروں سے اسی طرح سراسر مایوس و قہر وصول کرتا تھا۔ اس کا باپ اس سے بے حد خائف رہتا تھا۔ بہر حال وہ سامنے والے مکان میں اسے اکثر دیکھتی لیکن اسے حیرت ہوتی کہ آخر وہ حسب سابق ان کی طرف رخ کیوں نہیں کرتا۔ اس نے اس کا تذکرہ اپنے باپ سے بھی کیا تھا لیکن وہ خوفزدہ ہو کر بولا تھا ”مت دیکھو اس کی طرف..... بھول جاؤ اُسے..... خدا کرے وہ مجھے بھی بھول گیا ہو۔“

اس کے پاس جو مولو میرے خلاف ہے خدا کرے ضائع ہو گیا ہو۔ ضرور ایسا ہی ہے تبھی وہ یہاں نہیں آتا۔ ظاہر ہے اصل بھی تو مرچکا تھا اور رانھور نے بحیثیت بھی صرف انہیں رپوگوں سے سردکار رکھا تھا جو اس کیلئے بہت اہم تھے۔ یعنی بھی کی طرح وہ قومات نہیں وصول کرتا تھا بلکہ ان سے اپنے مفاد میں کام لیتا تھا۔ مثال کے طور پر وزیر صنعت کا معاملہ لے لو۔“

”آپ نے جولی سے یہ سب باتیں کب معلوم کیں۔“

”کیسپر والے معاملے کے بعد..... کیسپر کو کسی نامعلوم آدمی نے تہوار سے متعلق فون پر نہیں بتایا تھا بلکہ یہ ان دونوں کی ملی جھلت تھی۔ جولی ہی نے کیسپر کو بھیجا تھا اور پھر خود

اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ ان وجوہات کی بناء پر اسے شبہ ہو گیا ہو گا کہ وہ کسی سازش سے ذوقدار ہے بہر حال رانھور نے اسے اس وقت تک زندہ رکھا جب تک کہ اس کے قبضے سے وہ سوا نہیں نکال لیا جو خود اس کے خلاف تھا۔ رنی لاش کی تشہیر تو یہ اس کے کارکنوں کی حماقت کا نتیجہ بھی ہو سکتی ہے۔ انہوں نے سوچا ہو گا کہ اس طرح وہ بہ آسانی لاش سے پیچھا بھی چھڑالیں گے اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوگی۔ ہو سکتا ہے اسی خطا کی پاداش میں وہ شخص مارا گیا ہو جو اس کے شوہر کا رول بوا کرتا رہا تھا۔“

ڈی۔ آئی۔ جی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر ضابطے کی کارروائی کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ رانھور کا وہ عجیب و غریب ہستول بھی زیر بحث آیا۔

”میں نے تو ایسے ہستول صرف قلموں میں دیکھے ہیں۔“ حید بڑبڑایا۔ ”غالباً سرخ کے باشندے ایسے ہی ہستولوں سے اپنا کھانا پکاتے ہیں۔“

”اسی ہستول کی بناء پر مجھے کہنے دیجئے کہ رانھور زیر لینڈ کا جاسوس بھی تھا۔“ فریدی نے طویل سانس لے کر کہا۔ ”ڈی۔ ایس۔ پی بیراگی کے یہاں سے ایسے کچھ کاغذات بھی ملے ہیں۔“

ڈی۔ آئی۔ جی حیرت سے منہ کھولے اُسے دیکھ رہا تھا۔ جلدی سے بولا۔ ”ہاں کہو خاموش کیوں ہو گئے۔“

”فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بارہ بجے تک آپ کو پوری رپورٹ مل جائے گی۔“ مگر واپس جاتے ہوئے حید نے ایک غنڈی سانس لی اور بولا۔ ”آخر مجھے اس طرح وزیر صاحب کی کو غشی میں طلب کرنے کا کیا مطلب تھا۔ میں تو سمجھا تھا شاید پورہن کی طرح کو غشی میں کھس پڑے گا۔“

”رانھور کے آدمی ہر وقت میری نگرانی کرتے تھے۔ ہماری کو غشی کے گرد اس کے کرکون کا جاہل پھیلا ہوا تھا۔ اگر اسے اس کی اطلاع ہو جاتی کہ میں کسی طرح بھی وزیر صاحب کی کو غشی میں داخل ہوا ہوں تو وہ ہرگز وہاں نہ آتا۔ پہلی بار جب وزیر صاحب سے ملا تھا تب

ی سچ بچاؤ کرانے چلی آئی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ ہم لوگ اس مکان کے لوگوں کے خلاف اپنی مہم نیپلے سے بھی تیز کر دیں حالانکہ اس کا یہ فعل قطعی احتمالہ تھا۔“

حمید جس کی چلکیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں جھومتا ہوا بولا۔ ”تو پھر اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ گیسپر سے محبت کرتی ہے۔“

”ہوں۔۔۔!“ فریدی غرایا۔ ”تم اسی مسئلے پر اپنی رپورٹ لکھ دو، ماہنامہ دلداد میں چھپوا دوں گا۔“

”اُوہ۔۔۔۔۔ معاف کیجئے گا۔“ حمید چونک کر بولا۔ ”شاید میں اونگھ رہا تھا۔ ہمیں بھلا محبت و محبت سے کیا سروکار۔۔۔۔۔ ہم تو صرف اس لئے پیدا ہوئے تھے کہ شہر کی سڑکوں پر رات رات بھر کھیاں مارتے پھریں۔ لیکن وہ زیر ولینڈ والا پتول؟“

”رائٹور کی موت نے بڑی مشکلات میں مبتلا کر دیا ہے لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ میں نے وزیر صنعت سے وعدہ کر لیا تھا کہ بایک میلنگ کی کہانی منظر عام پر نہ آنے پائے گی۔ رائٹور کی زندگی میں یہ ناممکن ہو جاتا۔ اب صبح کے اخبارات وزیر صنعت کے خلاف ہلاکت خیز سازش کی خبر سنائیں گے اور مجھے اس سازش کی اطلاع پہلے ہی مل گئی تھی۔ لہذا میری بروقت مداخلت نے اُن کی جان بچائی۔ آئندہ سال تک سرکاری کاغذات میں بھی نہ لکھا جائے گا۔“

”جولی وکٹر۔۔۔۔۔“ حمید بھد سوز گداز گنا بٹایا۔

”اُسے بھول جاؤ۔۔۔۔۔ وہ لڑکی کرک ہے۔“

”مجھے آج تک کوئی ایسی لڑکی نہیں ملی جو کرک نہ رہی ہو۔“ حمید نے جمائی لے کر کہا

اور پھر اونگھے لگا۔

ختم شد